كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ

تذکرہ

مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلیؒ

یعنی

ایک داعی، خطیب، مبلّغ، معلّم و مربّی شخصیت کے
ایمان افروز و روح پرور حالات زندگی

از

سید محمود حسن حسنی ندوی

باہتمام

سید ہاشم نظام الدین ندوی / محمد ریان ندوی

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، لکھنؤ — علی ایجوکیشنل بک ہاؤس، بھٹکل

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۱۴۳۷ھ - ۲۰۱۶ء

نام کتاب	:	تذکرہ مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلیؒ
مؤلف	:	سید محمود حسن حسنی ندوی
صفحات	:	۲۰۰
تعداد	:	گیارہ سو
طباعت	:	آفسٹ انڈیا، لکھنؤ
باہتمام	:	سید ہاشم نظام الدین ندوی، محمد ریان ندوی
ناشر	:	مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، فون 0522-2741539

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون 9415912042

مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون 9335070285

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون 9793118234

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ 6535664. (0522)2610443

فہرست

عرض ناشر از: سید ہاشم نظام ندوی	۱۰
تعارف از: مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ	۱۳
مقدمہ از: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی زید مجدہ	۱۷
تقریظ از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہ	۲۰
حرف آغاز از: مصنف	۲۵
پہلا باب (۲۸-۴۱) قوم نوائط، خطۂ نوائط، بھٹکل اور اس کے اطراف کی خصوصیات اور اس کے اصحاب فضل وکمال	
بھٹکل اور اس کے اطراف	۲۸
قوم نوائط	۳۳
القاب وخطابات	۳۵
قوم نوائط کے اصحاب فضل وکمال	۳۸
قوم نوائط کے رجال کے تذکرے	۳۸
فکردے خاندان	۴۰
سادات نوائط	۴۰
دوسرا باب (۴۲-۴۶) مختصر حالات زندگی	
پیدائش	۴۲
تعلیم اور ابتدائی حالات	۴۲
جامعہ میں تقرر	۴۳
نکاح	۴۳

اہل خاندان کے ساتھ سلوک	۴۴
صحت کا خیال، اور حیا کا پاس	۴۴
سفر حج اور دوسرے اسفار	۴۵
وفات	۴۶
تیسرا باب (۴۷-۵۹) **جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا زمانۂ تعلیم**	
جامعہ اسلامیہ کا قیام	۴۷
جامعہ کی چند ممتاز شخصیات	۴۷
جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی تعلیم، رفقاء، اساتذہ اور معاصرین	۵۰
جامعہ کے زمانۂ تعلیم کی دوسری خصوصیات	۵۶
جامعہ میں مولانا عبدالباری ندوی کا آخری تعلیمی سال اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا سفر بھٹکل، اور جامعہ میں خطاب	۵۸

چوتھا باب (۶۰-۸۳)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں

ندوہ میں داخلہ اور قیام: ایک اجمالی جائزہ	۶۰
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرپرستی ورہنمائی میں	۶۱
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا خطاب	۶۲
اہم واقعات اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیات کی آمد	۶۶
سعودی عرب کے سفیر شیخ صالح الصقیر کی آمد اور حضرت مولانا کا خطاب	۶۶
تیسرا خطاب	۶۸
حضرت مولانا کی آخری سفر حج سے واپسی اور اظہار تاثرات	۶۸
تحفیظ القرآن الکریم کی عمارت کا افتتاح اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا خطاب	۶۹
دارالمصنفین اعظم گڑھ میں اسلام اور مستشرقین پر بین الاقوامی سیمینار............	۷۰

فضیلت اول کے طلبہ کا فضیلت دوم کے طلبہ کو الوداعیہ	۷۰
سال فضیلت اول کے ممتاز رفقاء	۷۱
معاصر رفقاء	۷۳
اساتذہ	۷۳
سال اول کی آخری یادگار، حاکم شارقہ کی آمد اور حضرت مولانا کا خطاب	۷۴
سال فضیلت دوم اور اس کے اہم واقعات	۷۵
ناظم ندوۃ العلماء کا جمعیۃ الاصلاح کے اسٹیج سے ایک دردمندانہ خطاب...........	۷۵
ایک شاہکار علمی نمائش	۷۶
الوداعی جلسہ	۷۷
نیک دل نیک زبان	۷۷
حدیث کا اختتامی سال	۸۱
اجازت حدیث	۸۲
پانچواں باب (۸۴-۹۱) زمانۂ تدریس اور جامعہ اسلامیہ میں تقرر	
جامعہ اور ندوۃ العلماء	۸۴
جامعہ اسلامیہ میں تدریس	۸۴
مولانا بحیثیت ایک استاذ و مربی	۸۵
چھٹا باب (۹۲-۱۰۰) جامعہ اسلامیہ کا دور اہتمام اور اس کی خصوصیت و امتیاز	
جامعہ اسلامیہ کا دور اہتمام اور اس کی خصوصیات و امتیاز	۹۲
جامعہ اسلامیہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نظر میں	۹۲
مدت اہتمام	۹۳

منصب اہتمام	۹۴
نظامت کے ساتھ تعاون واشتراک عمل	۹۵
چند اہم پروگرام، سیمنار، کانفرنسیں اور عظیم الشان تعلیمی اجلاس	۹۶
سنہ وار واقعات	۹۸
ساتواں باب (۱۰۱۔۱۱۱) (دینی ودعوتی جدوجہد)	
امامت وخطابت	۱۰۱
طرز خطاب	۱۰۲
دینی مجالس کا اہتمام	۱۰۳
سلسلہ درس قرآن	۱۰۵
درس کی عمومیت	۱۰۶
درس قرآن کا رواج	۱۰۷
اصلاح معاشرہ اور تبلیغ کا کام	۱۰۷
خواتین میں دین کی باتیں	۱۰۹
عام دینی مشغولیت	۱۱۰
آٹھواں باب (۱۱۲۔۱۲۸) ارشاد وربانیت اور نسبت واجازت	
مقام ارشاد	۱۱۲
جامع فضائل ہستی	۱۱۶
نسبت واجازت	۱۱۸
بھٹکل کے مشائخ	۱۱۸
تعلق مع اللہ	۱۲۱
گھر والوں کے ساتھ	۱۲۵

دائرۂ خدمت خلق کی وسعت	۱۲۵
شکر واحسان مندی	۱۲۶
استقامت وثابت قدمی	۱۲۷
شفقت علی الخلق	۱۲۷
وفات سے پہلے وفات کی تیاری	۱۲۸
نواں باب (۱۲۹-۱۴۳) اوصاف وخصوصیات، امتیازات وکمالات	
سات صفات	۱۲۹
شب گذاری اور نماز باجماعت کا اہتمام	۳۰
شکرگذاری کا جذبہ	۱۳۱
کردار سازی ومردم سازی کا عمل	۱۳۱
ملی واجتماعی کاموں میں شرکت اور رہنمائی	۱۳۲
صبروتحمل اور تقویٰ وحیا	۱۳۲
دومرکزی وصف تعلق مع اللہ اور اتباع سنت	۱۳۳
شفقت ومحبت اور خدمت خلق	۱۳۶
خیرخواہی	۱۳۷
محاسبہ نفس	۱۳۹
عام معمولات	۱۴۰
رمضان المبارک کے معمولات	۱۴۲
دسواں باب (۱۴۴-۱۶۱) سفر آخرت	
بیماری کا آغاز اور عزیمت پر عمل	۱۴۴
آخری رمضان المبارک	۱۴۵

رمضان کے بعد	۱۴۶
مولوی عبدالاحد کی روایت	۱۵۰
مولانا سید ہاشم ندوی کی روایت	۱۵۳
مسافر آخرت کے سفر کا حال ایک مشاہد کی زبانی	۱۵۶
مولانا کی زندگی ایک مشن ایک پیغام تھی	۱۵۹
گیارہواں باب (۱۶۲-۱۷۲) اولاد واخلاف اور تلامذہ	
اولاد و پسماندگان	۱۶۲
خلف اکبر مولوی عبدالبدیع فکردے ندوی	۱۶۲
خلف دوم مولوی عبدالاحد فکردے ندوی	۱۶۲
خلف سوم مولوی عبدالنور فکردے ندوی	۱۶۳
چند ممتاز اصحاب درس وافادہ تلامذہ	۱۶۳
سال بہ سال تیار کردہ جماعتوں کے نمائندہ افراد	۱۶۹
بارہواں باب (۱۷۳-۱۸۶) مکتوبات تعزیت اور تاثرات واحساسات	
مکتوب تعزیت حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء	۱۷۳
مکتوب تعزیت بنام حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء	۱۷۴
مکتوب تعزیت جناب ناظر عام صاحب ندوۃ العلماء	۱۷۵
تاثرات واحساسات شخصیات ادارے وجرائد	۱۷۶
مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	۱۷۶
مولانا حکیم محمد عبداللہ مغیثی مہتمم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ و چیرمین آل انڈیا ملی کونسل	۱۷۷
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ	۱۷۷

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابھا دار العلوم ندوۃ العلماء	۱۷۶
مولانا عبد العزیز خلیفہ ندوی بھٹکلی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء	۱۷۹
مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی ندوی مدیر ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ	۱۸۱
مولانا عمیر الصدیق دریا آبادی ندوی، رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ	۱۸۱
مولانا مقبول احمد ندوی (مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل)	۱۸۳
مولانا محمد الیاس ندوی (رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ورکن مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء)	۱۸۳
مولانا سید ہاشم نظام الدین ندوی (مرکز جمعۃ الماجد دبئی امارات)	۱۸۴
پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ	۱۸۶
ماہنامہ ''الشارق'' مظفر پور اعظم گڈھ	۱۸۶
ماہنامہ ''یادگار اسلاف'' اجراڑہ میرٹھ	۱۸۸
تیرھواں باب (۱۸۷-۲۰۰) وصایا اور نصائح	
ایک تعزیتی مجلس اور قرآن مجید و سیرت پاک کی روشنی میں ایک پیغام	۱۸۷
ختم بخاری شریف کے موقع سے کی گئی وصیتیں	۱۹۴
فارغین جامعہ کے نام آخری پیغام	۱۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب مشفق و مربی بہنوی و مخدومی مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر لکھی گئی پہلی مستقل کتاب ہے، جسے ہمارے مخلص دوست مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی زید مجدہ نے تصنیف کی ہے، جبکہ مولانا کے وصالِ پر ملال کے بعد مولانا کی حیات و خدمات پر اب تک بیسیوں مقالات، پچاسوں مضامین اور درجنوں مرثیے سپردِ قرطاس کئے جا چکے ہیں، مجلّات اور جرائد کے خصوصی شمارے بھی منظرِ عام پر آچکے ہیں، جن میں مولانا عبد العلیم قاسمی کا "نقشِ نوائط" اور جناب عتیق الرحمن صاحب کا "بھٹکل نیوز" کے خصوصی شمارے اور ان کے ساتھ مولانا ناصر اکرمی جامعی کے معہد حسن البناء کے ترجمانِ نسواں "طیبات" کا شمارہ اور طلبہ بھٹکل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا خصوصی مجلہ بھی ہے، یہ خصوصی شمارے مولانا کی زندگی کی حیات و خدمات پر مشتمل اہم دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان تمام خصوصی شماروں میں جامعہ اسلامیہ کا ترجمان "ارمغانِ حجاز" جو مولانا محمد الیاس ندوی کی ادارات میں نکلتا ہے، اپنے ترتیبی مراحل سے گزر رہا ہے وہ اپنی نوعیت میں منفرد اور شاہکار ہوگا۔

یقیناً اس بلند پایہ شخصیت پر بہت کچھ لکھا جائے گا، اور یہ جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ مستقل جاری اور ساری رہے گا، یہ کتاب جو ہمارے مکتبہ سے شائع ہو رہی ہے اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے، یہ کتاب اور مذکورہ بالا مجلّات مزید لکھنے والوں اور تاریخ رقم کرنے والوں کے لئے ایک نشانِ راہ ثابت ہونگے، کوئی بھی سوانح نگاران سے بے نیازانہ رویہ اختیار نہیں کر سکے گا۔

مولانا مرحوم جامعہ اسلامیہ کے ہونہار فرزند اور اس کے گلشنِ علم وادب کے گلِ سرسبد تھے، وہ پیکرِ زہدو فضل، خادمِ شرع وملت، باصلاحیت مدرس، کامیاب مہتمم، شہر کی قدیم ترین جامع مسجد کے امام وخطیب، جماعت المسلمین کے روحِ رواں، شعبۂ تبلیغ کے میرِ کارواں، مولانا سید ابوالحسن اسلامک اکیڈمی کے رکنِ رکین، فکر وخبر کے صدر نشین، احیاء المدارس کے دیرینہ رفیق اور ابناءِ جامعہ کے قافلہ سالار تھے، وہ خطیبِ جادو بیاں، بہترین مفسر، کہنہ مشق مقرر، مدبر، مربی، مبلغ اور داعی بھی تھے؛ ان کی نگاہ بلند تھی اور فکر ارجمند تھا، یعنی مولانا کی شخصیت جامع الصفات تھی، مولانا کا تعلق نصف صدی تک جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے رہا، جو تعلیم سے تدریس اور تدریس سے اہتمام تک کے عرصہ کو محیط ہے، جو آپ کی زندگی کا کل سرمایہ ہے، آپ کی شخصیت جنوبی ہند کے علمی، تعلیمی اور دعوتی حلقوں میں جانی پہچانی بلکہ چھائی رہی، لوگ ان کی قابلِ رشک زندگی پر ناز کرتے ہیں، خود مادرِ علمی جامعہ کا سر بھی فخر سے اونچا ہوتا ہے۔

اخلاقِ حسنہ اور تعلیماتِ نبویہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو آپ کی زندگی معاشرتی لغزشوں اور کوتاہیوں سے پاک وصاف تھی، اللہ کی ذاتِ عالی پر کامل یقین تھا، نبوی طریقوں سے وابستگی اور سنتوں سے شیفتگی تھی، صبر وضبط فطرتِ ثانیہ بن گئے تھے، بڑے کٹھن اور سخت مرحلوں میں بھی حلم اور بردباری کا دامن نہیں چھوڑا، عفوودرگذر سے کام لیا، وفات کے بعد سے اب تک سب کی زبان سے اس کی شہادتیں متواتر مل رہی ہیں، آپ اخلاقِ کریمانہ کا جیتا جاگتا نمونہ تھے، تواضع اور انکساری اور شانِ استغنا جیسے اوصاف نے آپ کو لوگوں میں محبوب ومقبول بنادیا تھا، آپ نے ہمیشہ اس بات کا بھر پور خیال رکھا کہ اپنی زبان وقلم سے کسی کا دل نہ دکھے اور کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ملے، اسی لئے ہر جگہ نیک نام رہے اور ہر دلعزیز بنے۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے مولانا مرحوم کی سوانح وسیرت، زمانہ طالبِ علمی، علم دین سے دلچسپی، فن سے وابستگی، اداروں کی سرپرستی، مفادِ عامہ میں حصہ داری، انسان

دوستی اور غرباء پروری جیسی بیش بہا صفات پر مولانا کی زندگی کی حقیقی تصویریں پیش کی ہیں، اور آپ کو سوانح نگاری میں ایک خاص مقام بھی حاصل ہے، فنِ وفیات پر دسیوں کتابیں اور پچاسوں مضامین وسوانحی تاثرات سپردِ قرطاس کر چکے ہیں، اسی لئے اتنے مختصر عرصہ میں آپ کے فاضلانہ قلم اور جذبہ ولگن سے اتنی وقیع تصنیف سامنے آئی۔

کتاب میں مولانا علیہ الرحمہ کے پیرومرشد مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشیں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے وقیع مقدمہ نے جہاں کتاب کے حسن کو دوچند کر دیا ہے وہیں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمدِ تعلیم حضرت مولانا سید واضح رشید صاحب ندوی کے حرفِ چند نے اس کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے۔

ہم اپنے دوست فاضل مصنف کے بے حد شکر گزار ہیں جنہوں نے اس عظیم الشان کام کو تکمیلی مراحل تک پہنچایا اور ہمارے مکتبہ " مکتبۃ الشباب العلمیۃ " کو اس کی اشاعت کا شرف بخشا، جس مکتبہ کو مخدومی مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے ایماء پر اور مولانا علیہ الرحمہ کے مشورہ سے شروع کیا گیا تھا، ادارہ مکتبۃ الشباب العلمیۃ اور ایک بار مولانا کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اپنے اس اقدام سے ہمیں مرحوم کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کا موقع دیا، جس سے ہمیں اپنا خاندانی اور روحانی حق ادا کرنے کی توفیق بھی نصیب ہوئی، اور مکتبہ کی بیش بہا نشریات میں ایک اہم اضافہ بھی ہوا، بلکہ مکتبہ کا وقار بھی بڑھا، ساتھ ہی مکتبہ کے مینیجنگ ڈائرکٹر مولانا محمد ریان بھٹکلی ندوی کے بھی ممنون ہیں کہ جنہوں نے کتابت وطباعت کے تمام مراحل کو پوری تندہی اور دلجمعی سے مکمل کیا۔

سید ہاشم نظام ندوی

۱۷/جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ ہجری

۲۷/مارچ ۲۰۱۶ عیسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

از: جناب مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ

(صدر جمعیت شباب الاسلام واستاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۸؍جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷ فروری ۲۰۱۶ء بدھ کی شام بھٹکل کے مشہور عالم دین اور ہمارے عزیز مکرم مولانا عبدالباری کے انتقال کی خبر ملی، وہ بڑے ایمانی جذبات اور کیفیات کے ساتھ رخصت ہوئے، مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میرے عزیز شاگرد تھے، وہ جس زمانے میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، میں ان دنوں فضیلت سال اول میں علوم حدیث پڑھاتا تھا، اور بھٹکل سے آنے والے طلباء ہمارے خصوصی تعلق سے، شعبۂ حدیث میں داخل ہوتے تھے، وہ بھی اس قافلۂ علم میں شریک ہوگئے۔

میں ۱۹۷۵ء میں پہلی مرتبہ بھٹکل گیا تھا، اور ۸۱-۱۹۸۲ء کے بعد کثرت سے میرے دورے بھٹکل کے ہوئے، اور خاص طور پر وہاں سیرت کے سہ روزہ اجلاس میں کئی سال میں اکیلا مقرر ہوتا تھا، اس زمانے میں ہماری تحریک جمعیت شباب الاسلام کا بھی شباب تھا، میری تقریریں تحریکی طرز کی ہوتی تھیں، اور نوجوانان بھٹکل اور بالخصوص طلبۂ جامعہ اسلامیہ ان میں اپنے دلوں کے جذبات پاتے تھے، ان ہی طلبہ میں عبدالباری بھٹکلی بھی تھے، جو ندوہ آنے سے پہلے ہی مجھ سے مانوس تھے، وہ ندوہ آکر شعبۂ تخصص حدیث میں داخل ہوئے اور ہمارے رابطے میں آئے۔

اس زمانے میں جناب الحاج محی الدین منیری صاحبؒ کی نظامت اور مولانا فاروق بھٹکلی کا اہتمام میرے لیے بھٹکلی دوروں میں جذبات کا دوآتشہ تھا، ایک طرف منیری صاحبؒ کی پرجوش محنتیں، اور جذبات سے معمور استقبال اور تائید وسرپرستی، اور دوسری طرف ہمارے محبّ گرامی مولانا قاضی فاروق کی فکری آفاقیت، اور نقطہائے نظر کی ہم آہنگی، افسوس کہ وہ اپنے ذاتی مسائل، اور حساس طبیعت کی وجہ سے اس نظام کے ساتھ تادیر وابستہ نہیں رہ سکے، بہرحال اس دور میں عزیزی عبدالباری ایک ابھرتے نوجوان تھے۔ انہوں نے جمعیت شباب کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا، اس وقت جمعیت کے ہفتہ واری دورے ہوتے تھے، خطبۂ جمعہ سے پہلے شہر کی مساجد میں تحریکی تقاریر، درس قرآن کی محفلیں، ماہانہ تربیتی کیمپس وغیرہ پوری سرگرمی سے جاری تھے، اور عزیز مکرم مولوی عبدالباری ان میں شریک رہتے تھے، اسی لئے جب وہ ندوہ سے رخصت ہو کر جارہے تھے، تو میں نے انہیں خصوصی طور پر بھٹکل میں کام جاری رکھنے کو کہا تھا، اور عہد لیا تھا کہ وہاں کے ماحول میں ان سرگرمیوں کو پوری فعالیت کے ساتھ جاری رکھنا ہے، الحمدللہ انہوں نے پوری وفاداری اور وضعداری کے ساتھ کام جاری رکھا، وہ جامعہ میں مدرس ہوگئے، اور پھر جامع مسجد کے امام وخطیب۔

دھیرے دھیرے ان کے خطبات کی دھوم مچتی گئی، اور پھر ذمہ داران بھٹکل نے ان کے علم وفضل، متانت وسنجیدگی اور خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی کی بناپر جامعہ اسلامیہ کا مہتمم بنایا، انہوں نے اس منصب کا حق ادا کیا، اور ترقی کے پروگراموں میں اہم کردار ادا کیا۔

ان کا اہتمام، اور جامع مسجد کی خطابت وامامت ہمارے نزدیک ہمارے مشن ہی کا امتداد وتسلسل تھا، وہ الحمدللہ ہمارے افکار سے متفق تھے، جب بھی جامعہ میری حاضری ہوتی تو ندوہ کی نسبت کے علاوہ، ہماری تحریکی نسبت اور ذوقی وجدانی اتفاق، دل کا ترجمان بنتا، بعد کے دور میں ان کے برادر نسبتی سید ہاشم بھٹکلی ندوی کے اور ہمارے تعلقات نے، اور پھر ان کے صاحبزادگان عزیزم عبدالاحد ندوی اور عزیزم عبدالنور ندوی کے محبانہ تعلقات نے ان

کے ساتھ گوناگوں اور ہمہ جہت تعلقات کا ایک ایسا آمیزہ تیار کر دیا تھا، جس نے ان کی مسند درس اور ان کے منبر و محراب کو ہمارے دل کا ایک اچھا اور کامیاب ترجمان بنا دیا تھا، وہ ایک کامیاب اور باتوفیق مدرس تھے، اور ایک مرنجاں مرنج، معتدل مزاج مدبر و منتظم بھی۔ مولوی عبدالباری کا دل تعصّبات سے پاک تھا، اور وہ محدودیت سے آزاد ہو چکے تھے، وہ سب کو ساتھ لے کر چلنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہے، ان کی مقبولیت اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت کی مختلف وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی تھی، اس کے علاوہ ان کی منکسر المزاجی، تقویٰ وللّٰہیت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے، ان کے انہیں اوصاف کی بنیاد پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے ان کو ایک دو سال پہلے سلاسل تصوف کی اجازت بھی دی تھی۔

جامع مسجد کے منبر سے بلند ہونے والی اس آواز نے، (جیسا کہ مجھے ان کے ساتھیوں اور شاگردوں سے معلوم ہوا) بے شمار زندگیاں بدل ڈالیں، شیریں گفتگو، حکیمانہ انداز، باوقار و منفرد لب ولہجہ، وعظ و تقریر کے اثر کو دوبالا کرتا تھا، وہ ملت کے مسائل اور عالم اسلام کے حالات پر گفتگو کرتے تھے، معاشرے میں جنم لینے والی مختلف رسوم اور بدعات پر نکیر کرتے تھے، دین کے معاملے میں وہ بڑی غیرت وحمیت رکھتے تھے اور اس تعلق سے کسی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔

عبدالباری ندوی مرحوم کو نوجوانوں کی بڑی فکر تھی، امت کے اس عظیم سرمایے کو راہ راست پر لانے اور انہیں اپنی ذمے داریوں سے آگاہ کرنے کی انہوں نے حتی المقدور کوششیں کیں، درس قرآن کا حلقہ لگاتے تھے، درس قرآن کے حلقہ میں شریک ہونے والے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ان سے بہت متاثر ہوئی، طلبہ کے لئے وہ خصوصی طور پر درس قرآن کا حلقہ منعقد کرتے تھے، مزید وہ خواتین کی اصلاح کی بھی بہت فکر کرتے تھے اور اکثر ان کی مادری زبان (نوائطی) میں بڑی نرمی اور حکمت کے ساتھ دینی عقائد واحکام

---

(۱) بشکریہ: عمر سیاف ندوی بھٹکلی

اور صحیح معاشرتی زندگی کی باتیں ان کو سمجھاتے تھے، مستورات کے لئے جب بھی آپ کے درس یا خطاب کا کہیں اعلان ہوتا تو کثیر تعداد میں خواتین حاضر ہوکر آپ کے خطاب سے مستفید ہوتیں، یہی حال عوامی اجلاس اور خطبۂ جمعہ کا بھی تھا، یہ آپ کی مقبولیت کی دلیل تھی، بھٹکل ہی نہیں اطراف واکناف کے تمام علاقوں کے لوگ آپ کے اخلاق کے گرویدہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگوں صفات وخصوصیات سے نوازا تھا، اور انہوں نے ان کو بروئے کار لاکر اپنی زندگی دین کی دعوت اور قوم وملت کی خدمت میں گزاردی، ان کا وجود لوگوں کے لئے باعث سکون تھا، اہل بھٹکل کو یقیناً ان کی ضرورت تھی، لیکن اللہ کا فیصلہ ان کے حق میں اس جہان فانی سے کوچ کا ہوا، اور تقدیر تمام تدبیروں پر غالب آگئی اور وہ اپنی اجل پوری کرکے اپنے پیچھے ہزاروں آنکھوں کو اشکبار چھوڑ کر دار البقا کے مسافر ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سلمان الحسینی ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء
۱۹/ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ
۲۹/ مارچ ۲۰۱۶ء (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

(حضرت مولانا) سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنو

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين وبعد۔

مولانا عبدالباری ندوی کی رحلت خاندان کے ایک عزیز فرد کی رحلت کی طرح ہے، جب ۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا بھٹکل کا سفر ہوا تھا، اس وقت وہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں پڑھ رہے تھے، پھر جب جامعہ سے فارغ ہوکر دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے تو یہ تعارف اچھے ربط و تعلق میں تبدیل ہوگیا، شروع ہی سے ان کے مزاج میں صلاح اور سعادت مندی تھی اس لیے وہ اساتذہ کے نزدیک محبوب و مقبول تھے۔

بھٹکل حاضری کے وقت جب ملاقات ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مسلسل ترقی کر رہے ہیں، ہر موقع پر محسوس ہوتا کہ ان کی زندگی میں جیسے عجلت ہے، آدمی چاہتا ہے کہ کام مکمل کرے، ان کی جو مصروفیات تھیں وہ ایسی تھیں، جو کئی آدمیوں پر تقسیم کی جاسکتی ہیں وہ بڑے اچھے خطیب، منتظم اور ذی استعداد معلم و مربی تھے، قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ ان کا موضوع اور میدان عمل تھا، جن کے دروس کے ذریعہ انہوں نے اصلاح معاشرہ اور مدرسہ میں رہ کر طلبہ کی دینی واخلاقی تربیت کا کام کیا۔

فقہ شافعی پر ان کی اچھی نظر تھی، اسی لیے مسلم پرسنل لا ء بورڈ کے ذمہ داروں نے ان کے ذمہ یہ کام کیا تھا کہ وہ فقہ شافعی پر ایسی کتاب تیار کر دیں جس کی ترتیب ایسی ہو جو قانون کی کتاب کی ترتیب ہوتی ہے، تا کہ اس سے مدد لی جا سکے اور یہ کام انہوں نے انجام دے دیا تھا۔

انہوں نے جب سے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا منصب اہتمام سنبھالا تو صاف محسوس ہوا کہ جامعہ نے تعمیرات کے اعتبار سے، طلبہ کے اعتبار سے اور تعلیم کے شعبوں کے اعتبار سے بھی اچھی ترقی کی ہے اور جامعہ میں دینی رجحان بڑھتا جا رہا ہے، ہوسٹلوں میں جو نظام تعلیم و تربیت کا ہے وہ نظام نہیں تھا، انہوں نے اس کی طرف بھی توجہ کی اور وہ نظام بھی قائم ہوا۔

مولوی عبد الباری ندوی علاقہ میں بڑے مقبول تھے، اس مقبولیت کا اندازہ اس وقت ہوا جب ہم بھٹکل گئے اور وہ صاحب فراش تھے تو ایسا معلوم ہوا کہ ہر خاندان متاثر ہے، جو جامعہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے وہ بھی متاثر ہیں اور سب اداس ہیں، وفات سے پہلے بنگلور میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان کی صحت دیکھ کر اندازہ ہوا کہ شفا ہو جائے گی، امید تھی کہ وہ اپنے کام پر واپس آ جائیں گے اور چلتے وقت انہوں نے کہا بھی کہ بھٹکل میں ملاقات ہوگی اور اس کا اظہار کیا کہ الحمد للہ کوئی تکلیف نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ وہ ملاقات آخری ملاقات ہوگی اور اللہ تعالی کے ہاں جو بات طے ہوتی ہے وہی چیز وجود میں آتی ہے، یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ اپنے پیچھے بڑا ذخیرۂ آخرت اور کام کرنے والوں کی ایک جماعت تیار کر گئے ہیں۔

کام کے تنوع کو دیکھا جائے تو انہوں نے جامعہ کی خدمت، علاقے کی خدمت اور دینی رہنمائی کے ساتھ مولانا ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی اور اس سے متعلق علی پبلک اسکول کی بھی سرپرستی کی اور اس کے لیے ہر طرح کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ مولوی الیاس صاحب بھٹکلی ندوی سے معلوم ہوا کہ انہوں نے کتنا تعاون کیا۔

مولانا عبد الباری ندوی کی ایک خصوصیت ارشاد و تربیت کی بھی تھی اور یہ ذمہ داری

باقاعدہ طور پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے بھٹکل کے جن دو تین افراد پر ڈالی تھی ان میں ایک وہ بھی تھے، زندگی میں احتیاط، زہد واستغناء اور فکر آخرت کا وصف جو ان میں تھا وہ اپنی صحبت و بیان سے دوسروں میں بھی دیکھنا چاہتے، اور اس کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

ان کی صلاحیتیں بہت متنوع تھیں، کم ہوتا ہے کہ کسی آدمی میں ایسی صلاحیتیں ہوں کہ وہ معلم بھی ہو، مربی ہو، سماجی خدمت کا کام بھی کرتا ہو اور تعلیمی سلسلہ کے مختلف جہتوں میں کام کرتا ہو اور خالص دینی تعلیم میں ہی نہیں، عصری تعلیم اور دنیوی تعلیم میں بھی حصہ لیتا ہو اور اس کو اس سے بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی ہو، ورنہ وہ شخص جو بہت سرگرم ہوتا ہے تو بہت سے لوگ اس کے حاسد بھی ہو جاتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو شکایتیں بھی ہو جاتی ہیں، لیکن ہم نے محسوس کیا کہ وہ پورے علاقے میں ہر دلعزیز اور دلآویز شخصیت تھے، عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اللہ کی کتاب ''تذکرہ مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی'' کے موضوعات اور عناوین سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسی معیاری زندگی گزاری جو ایک داعی کو داعی کی حیثیت سے، ایک عالم کو عالم کی حیثیت سے، ایک معلم اور مبلغ دین کو اپنے اس مقام کی حیثیت سے اور ایک مربی و مصلح کو اس ذمہ داری کے احساس سے گزارنی چاہیے۔

عزیزی سید محمود حسن حسنی ندوی کی مولوی عبدالباری ندوی مرحوم کی حیات و خدمات پر پیش نظر کتاب مرحوم کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے جو انہوں نے تعلیم و دعوت، معاشرہ کی اصلاح اور نئی نسل کی تربیت کے سلسلہ میں مفید طور پر گزاری ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی اس کوشش کو قبولیت حاصل ہو اور اس کا نفع عام ہو اور امید رکھتے ہیں کہ یہ کتاب صرف طلبہ علم دین کے لیے ہی نہیں، تعلیم و دعوت کے حلقوں اور عام لوگوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔ (آمین)۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی

۲۷/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۷ھ — دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہ
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على أشرف الأنبياء وسيد المرسلين محمد وعلى آله وصحبه وعلى من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين أما بعد!

جنوبی ہندوستان کے صوبۂ کرناٹک کے دینی وعلمی شناخت رکھنے والے علاقہ کے ایک بڑے صالح اور نیک سیرت اور بڑے منتظم نوجوان مولوی عبدالباری صاحب ندوی اپنے رب سے جا ملے اور اس دنیا سے رخصت ہوئے، لیکن انہوں نے جو کارنامے انجام دئے اور جو خدمت علم ودین کی کی اس کا تذکرہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر کثرت سے لوگوں کو غم میں ڈوبا ہوا پایا گیا، اور سب کی آنکھیں اشکبار ہوئیں، اور ان کو اس طرح رخصت کیا کہ ایک بہت بڑی دولت اور بڑی نعمت ان کے ہاتھ سے جا رہی ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ ان سے جو خیر پھیل رہا تھا، اور جس طرح وہ دین کی اور علم دین کی خدمت انجام دے رہے تھے، اور جس انداز سے اور حکیمانہ طریقہ سے وہ کام کر رہے تھے، ان کے نہ رہنے سے اس میں بڑی کمی پیدا ہوئی ہے، اس کمی کو اللہ تعالیٰ دور کرنے کی شکل پیدا فرمائے گا، ان کی جو صفات وخصوصیات تھیں وہ سب میں نہیں ہوتیں، اور ایسے لوگ کم ہوتے ہیں، جو لوگوں کے دلوں کو جیت لیں اور اجتماعی زندگی میں اس طرح

کا طریقہ اختیار کریں کہ سب کی تائید ان کو حاصل ہو اور ان کے کام کو تقویت پہنچے۔

مولانا عبد الباری صاحب اس طرح کے شخص تھے کہ انہوں نے بڑی اچھی علمی صلاحیت بھی پیدا کر لی تھی اور وہ جمعہ میں بھٹکل کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے تھے، اس سے ان کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا تھا کہ عربی پر ان کو عبور تھا، وہ عربی میں اچھی طرح خطاب کیا کرتے تھے اور مناسب ڈھنگ سے مخاطب ہوتے تھے، ان کی جو علمی لیاقت اور خصوصیات تھیں وہ سب میں نہیں ہوتیں، میں نے ان کے پیچھے کئی مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی اور ان کا خطبۂ جمعہ سنا ہے، میری توقع سے وہ زیادہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خصوصیات عطا فرمائی تھیں ان سے بھٹکل میں ان کو اچھی مقبولیت حاصل تھی، اور وہاں جو دینی ودعوتی، تعلیمی کام ہو رہے ہیں ان کو وہ بھرپور تعاون دیتے اور ہمدردی کے ساتھ ان کاموں کو بڑھانے میں معاون ہوتے تھے مثلاً عزیز گرامی مولوی محمد الیاس صاحب ندوی جو تعلیمی کام کر رہے ہیں، علی پبلک اسکول کا قیام، اسلامی ماحول میں عصری تعلیم کا انتظام، تعارف اسلام کے لئے جلسوں اور مسابقات کا انعقاد اور مولانا ابو الحسن علی ندوی اکاڈمی کا کام اس میں ان کا تعاون وسرپرستی بھی حاصل تھی، اس کے علاوہ دوسری دینی ودعوتی تبلیغی کوششوں میں بھی وہ حصہ لیتے اور معاون بنتے تھے، اور انفرادی طور پر بھی لوگ ان سے رابطہ رکھ کر دینی فائدہ اٹھاتے تھے، اور انہیں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کے سلسلہ میں اجازت بھی حاصل ہوئی تھی لیکن وہ اس میں تواضع اور اخفاء سے کام لیتے تھے۔

جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں ان کی تدریسی خدمات اور پھر منصب اہتمام پر فائز ہو کر ان کی انتظامی صلاحیت کو سب نے سراہا، وہ ایک اچھے صالح عالم دین اور داعی ومربی شخصیت کے حامل ومالک تھے، ان سے ذاتی طور پر مجھے خصوصی تعلق تھا اور میں ان کے متعلق اچھی رائے رکھتا تھا، جب جامعہ اسلامیہ کے مہتمم بنائے جانے کی بات کہی گئی تو انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے میں میری رائے پر موقوف کیا، اور اپنے کو اس کا اہل

نہیں سمجھا لیکن میں ان کی دینی وعلمی صلاحیت اور لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کے مزاج اور طبیعت کی نرمی سے واقف تھا، میں نے ان کو اس منصب کے قبول کرنے کی رائے دی، انہوں نے پھر اس منصب کو قبول کیا، اور اس کا حق ادا کیا، ان کے زمانۂ اہتمام میں جامعہ اسلامیہ نے بڑی ترقی کی، اور اس کا دائرہ عمل وسیع ہوا، طلبہ کی تعداد بھی بڑھی، اور اطراف میں اس کی شاخیں بھی قائم ہوئیں، جس سے اب ہزاروں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جامعہ کو ترقی دینے میں اور اس کو صحیح طور پر کارآمد طریقہ سے چلانے میں مولوی عبدالباری صاحب مرحوم کی بھی بڑا حصہ ہے، انہیں جامعہ کی انتظامیہ اور اساتذہ سب کا اچھا تعاون ملا، اور میرا یہ خیال صحیح نکلا کہ وہ اس منصب کے لئے موزوں ہوں گے، اور جامعہ کو ان سے نفع پہنچے گا، انہوں نے جامعہ کی جو خدمت انجام دی، سب اس کو سراہ رہے ہیں، اور اس کی قدر کررہے ہیں، آدمی کی یہ بڑی مقبولیت اور بڑائی کی بات ہے کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہو تو سینکڑوں ہزاروں آدمی ملول ہوں، اور صحیح بات یہ ہے کہ بھٹکل میں اس واقعہ کو بہت غم کے ساتھ دیکھا گیا اور سنا گیا، بھٹکل میں اتنی بڑی تعداد میں مجمع جمع نہیں ہوا جو ان کے جنازہ اور تدفین میں دیکھا گیا، ایسے اشخاص جن سے لوگ اس طرح محبت کرتے اور قدر کرتے ہوں عام طور پر کم ہوتے ہیں، اور اس طریقہ سے جامعہ اسلامیہ اور بھٹکل کو ان کی وفات سے جو نقصان پہنچا ہے، جسے بھٹکل والے اور بھٹکل کے باہر کے لوگ بھی محسوس کررہے ہیں۔

لیکن یہ بات اچھی توقع کی ہے کہ ان کے رفقاء جامعہ جو اکثر وہاں کے اساتذہ ہیں اور اچھی لیاقت وصلاحیت کے حامل ہیں اور دوسرے ان کے تیار کردہ افراد کہ وہ اپنے پیچھے فضلاء اور کام کرنے والوں کی ایک ٹیم تیار کرکے گئے، یہ ان کے جاری کئے ہوئے کاموں کے آگے بڑھائیں گے اور جس طرح عزیز مرحوم نئی نسل کی تربیت کا ذریعہ بنے ہوئے تھے تعلیم وتربیت کا اور دین سے جوڑنے کا اور بھٹکل کے لوگوں کو دین سے وابستہ کرنے کا ان شاء اللہ

وہ کام جاری رہے گا۔

یہ ان کی سعادت وعزت اور شرف کی بات ہے کہ وہ صرف اپنے گھر کے افراد کو اپنے پیچھے چھوڑ کر نہیں گئے، کارگزار افراد کی ایک بڑی جماعت اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں، البتہ گھر والوں کے لئے یہ حادثہ زیادہ صدمہ کا ہے خصوصاً ان کے والدین ماجدین کے لئے جن کی خدمت کو خود وہ اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے تھے، معلوم ہوا کہ انہیں کے علاج کے سلسلہ میں وہ منگلور دو تین ماہ قبل گئے تھے اور خود ان کے پیروں کی تکلیف کم نہیں ہو رہی تھی، ڈاکٹروں نے خود ان کے چیک اپ کی بات رکھی اور پھر اس مرض کا انکشاف ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے، گزشتہ ماہ جنوری ۲۰۱۶ء کے پہلے ہفتہ میں بنگلور کے سفر میں میں نے ان کی عیادت کی تھی جہاں وہ ایک اسپتال میں زیر علاج تھے، اور پھر اپنی ایک بہن کے یہاں کچھ دن مقیم رہے، دونوں جگہ میرا جانا ہوا، اس کا بالکل اندازہ نہ تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہوگی، بلکہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت دے گا اور ابھی اور کام کریں گے، انہوں نے اپنی عمر کی ۵۴ بہاریں دیکھیں، یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے اپنی پوری عمر دین سے متعلق کاموں میں لگائی، اور زندگی کے آخری ایام اور زیادہ قابل رشک تھے، اللہ تعالیٰ سے ہم سب امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں وہاں بلند مقام عطا کرے گا۔

انہوں نے جس طرح لوگوں کو دین اور دینی تعلیم کی طرف راغب کرنے کام کیا، اور خود ایک معیاری زندگی پیش کی اس کو دیکھ کر وہاں کے لوگوں میں اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کا شوق پیدا ہوا، اور خود انہوں نے اپنی اولاد کے لئے اسی کو اختیار کیا، ان کے تینوں بیٹے مولوی عبدالبدیع، مولوی عبدالاحد اور مولوی عبدالنور سلمہم اللہ تعالیٰ جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے تعلیم مکمل کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے اور وہاں سے فضیلت کی تعلیم پوری کی، ان صاحبزادوں کے علاوہ انکی ایک صاحبزادی ہیں ان کے لئے بھی انہوں نے بھٹکل کے ہی دیندار گھرانہ کے دیندار فرد کو اختیار کیا جو وجے واڑہ میں مقیم محمد سائب سکری رکن الدین

صاحب کے فرزند نیک سیرت نوجوان بلال سلمہ ہیں، جن کے چھوٹے بچے اور بچیاں ہیں، معلوم ہوا کہ انہیں اپنے ان نواسوں، نواسیوں سے بڑا تعلق اور پیار تھا، اور یہ بھی سنت کا ہی ایک عمل ہے۔

عزیز مرحوم مولوی عبدالباری ندوی کو اپنے اعزہ واحباب میں جو مقبولیت حاصل تھی اس سے ان کی خوبیوں کا پتہ چلتا ہے، سب کی خواہش تھی کہ ان کا تذکرہ تیار ہو جائے، تا کہ آنے والی نسلوں کو بھی علم ہو سکے، اس کے لئے عزیز مکرم مولوی محمود حسن حسنی ندوی سلمہ نے ایک نیک کام سمجھ کر اس میں حصہ لینے کے لئے اپنے کو پیش کیا اور الحمد للہ ایک اچھا تذکرہ تیار کر دیا ان شاء اللہ یہ فائدہ کا حامل ہوگا۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ انہیں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے، اور علیین میں جگہ دے، اور ان کے اہل خانہ، اعزہ واقارب و پسماندگان اور سبھی اہل تعلق کو صبر وثواب زیادہ سے زیادہ عطا فرمائے اور قوت وہمت دے آمین۔

محمد رابع حسنی ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جمعہ ۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

الحمدلله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی أما بعد!

راقم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکرادا کرے کم ہے، کہ اس نے اس راقم تحریر کواپنے زمانہ کے ایک ربانی صفت بندے کے تذکرہ کومرتب کرنے کی توفیق دی، اگرچہ ان کا جوحق تھا وہ پورا ادانہیں ہوا لیکن دوسرے لکھنے والے ابھی لکھیں گے، اور نمونہ بنانے والے ان کی زندگی کونمونہ بنائیں گے، یہ واقعہ ہے کہ ان کی زندگی نمونہ کی زندگی تھی، وہ ایک آئیڈیل شخصیت کے طور پر سامنے آئے، ان کی زندگی کے دو بڑے وصف: عزیمت اوراستقامت تھے، اس سے انہوں نے مقامی طور پر بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، جس کی روشنی دوسرے مقامات میں بھی پھیلی، اوران کے تیار کردہ افراد ملک وبیرون ملک ان سے حاصل کردہ دینی وعلمی فیض کو پہنچانے لگے۔

کوئی ادارہ قائم ہوتا ہے تو اس کے لئے کچھ آئیڈیل شخصیتیں ہوتی ہیں، اورادارہ کی کامیابی اس صورت میں نظرآتی ہے جب اس کے پروردہ لوگوں میں کوئی جامع صفات شخص سامنے آئے، ایمان وعمل، صلاح واصلاح، دعوت وارشاد، تعلیم وتربیت ان تمام کاموں کو بہتر طور پرانجام دینے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو جامعہ اسلامیہ بھٹکل مولانا عبدالباری ندوی کوپیش کرسکتا ہے، اور جامعہ اسلامیہ کا پیش کرنا دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پیش کرنا ہے، وہ جامعی تھے اور ندوی بھی، اورسب سے بڑھ کر وہ اپنے عمل وکردار سے محمدی تھے۔

مولانا کی وفات پر جو رنج وملال سامنے آیا یہ ان کی محبوبیت، مقبولیت، مرجعیت اور

ان کے ذاتی اوصاف وخصوصیات اور دعوتی تعلیمی سماجی خدمات، ایثار وقربانی، تعلق مع اللہ، خدمت خلق، کو دیکھتے ہوئے ذرا بھی باعث حیرت واستعجاب نہیں۔

آج جب کہ ان کے سانحۂ ارتحال کو پورے چالیس دن ہو رہے ہیں تب بھی اظہار تعلق وعقیدت کا وہی حال سامنے ہے، ۱۷ فروری ۲۰۱۶ء کو بعد عصر انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تھا، آج اس کے دوسرے مہینہ مارچ ۲۰۱۶ء کی ۲۷ تاریخ ہے، اس مختصر مدت میں ایک خراج عقیدت یہ بھی ہے۔

ان کے متعلق اس مختصر عرصہ میں رسائل کے جو خصوصی نمبر سامنے آئے ان میں مقامی نوائطی زبان کا "نقش نوائط" نمبر اور عربی مجلہ "الشروق" بھٹکل کا عدد خاص اور "نقوش طیبات" کا خصوصی شمارہ 'مولانا عبدالباری ندوی-حیات وخدمات' اور طلبۂ بھٹکل ندوۃ العلماء کی پیشکش 'مولانا عبدالباری ندوی-بھٹکل کی ایک عظیم شخصیت' وہ قابل ذکر اشاعت ہیں جن سے مصنف بے نیاز نہیں رہ سکا۔

مصنف نے سب سے پہلے مکرمی جناب مولانا ناصر سعید اکرمی صاحب کے تقاضے پر ایک مضمون لکھا جو انہوں نے رسالہ "طیبات" کے لئے چاہا تھا، گرامی منزلت مولانا الیاس صاحب ندوی نے "ارمغان حجاز" کے لئے کہا جس کے وہ مدیر ہیں اور وہ جامعہ اسلامیہ کا ترجمان ہے، مکتبۃ الشباب العلمیۃ لکھنؤ کے لئے عزیز القدر مولوی ریان میکون ندوی نے تقاضا کیا جو برادر محترم مولانا سید ہاشم صاحب کے زیر انتظام چلنے والا دارالاشاعت ہے، مولانا مرحوم ان کے بہنوئی تھے دوسری طرف مولانا مرحوم کے داماد بلال رکن الدین سلمہ اور ان کے والد مکرمی جناب الحاج محمد سائب سکری رکن الدین صاحب نے اس عاجز سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر کوئی کتاب اس مناسبت سے سامنے آتی ہے تو اس کے فروغ میں ان کا بھی حصہ رہے گا، یہ سارے تقاضے ایسے خلوص دل سے تھے کہ جن سے قلم کو تحریک ملی، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مقیم بعض طلبۂ بھٹکل واساتذہ کا تعاون ملا، اور سب سے بڑھ کر

استاذ محترم ومکرم مولانا خلیفہ عبدالعزیز ندوی بھٹکلی زید مجدہ نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنی سرپرستی سے سرفراز فرمایا اور مولانا محمد اسلم صاحب لکھنوی مظاہری استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کام کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا اصرار کیا میں ان سب کا اور دوسرے حضرات کا بھی شکر گزار ہوں، خصوصاً مولانا سلمان شکیل ندوی صاحب اور ان کے معاون مولانا اخلاق احمد ندوی کا جنہوں نے کمپوزنگ کے مرحلہ کو بحسن وخوبی انجام دیا، اور محترمی جناب حامد صاحب خوشنویس نے فنی ذمہ داری لی دعا گو ہوں کہ رب کریم شرف قبولیت سے نوازے اور بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ وماذلك على الله بعزيز۔

محمود حسن حسنی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اتوار ۱۷/ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ/ ۲۷/ مارچ ۲۰۱۶ء

باب اول

قوم نوائط، خطۂ نوائط، بھٹکل اور اس کے اطراف کی خصوصیات اور اس کے اصحاب فضل و کمال

بھٹکل اور اس کے اطراف

مشہور مؤرخ و ناقد، اور عظیم مصنف و محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ اپنی سیاحت بھٹکل میں ''البلاغ'' ممبئی کے جنوری رفروری ۱۹۷۱ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں:

تھانہ اور بھڑوچ (بروص) سے لے کر مالابار بلکہ سیلون تک کے مغربی کنارے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے اسلامیوں کے مقدس کارواں کی گزرگاہ رہے ہیں، عہد فاروقی میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ نے اپنے بھائی حکم بن العاص ثقفیؓ کو تھانہ اور بھڑوچ کی فوجی مہم پر روانہ کیا بلکہ بعض روایات کی رو سے اسی عہد میں سیلون میں بھی مجاہدین کے قدم آئے جن میں زیادہ تر بحرین وعمان وغیرہ مشرقی عرب کے باشندے قبیلہ بنو عبدالقیس، قبیلہ بنو تمیم، قبیلہ بنو ازد، اور قبیلہ بنو سامہ کے حضرات شریک تھے۔ اور ان قدوسیوں کے قدم سے یہ کنارے فیضیاب ہوئے۔ منگلور اور ''ہنور'' اسلامی تاریخ میں بڑے مرکزی مقامات تھے، یہاں عرب مسلمانوں کے بحری قافلے رکتے تھے۔ تیسری صدی ہجری تک ان سواحل کی تمام تر تجارت ان ہی عرب تاجروں کے ہاتھ میں تھی، قدیم سیاح و مورخ اور جغرافیہ نویس منگلور کو منجلور اور منجنور کہتے ہیں۔ ہنور بہت بڑا تجارتی مرکز تھا جہاں عرب ممالک سے بہت سے تجارتی جہاز آتے جاتے تھے۔ یہاں مسلمان بادشاہ تھا اور اطراف و جوانب کے علاقے اس سے متعلق تھے۔ چناچہ بھٹکل کا تعلق بھی ھنور ہی

سے تھا جو تقریباً بیس میل پر جنوب میں لب ساحل واقع ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں ہنور اور بھٹکل وغیرہ کے حالات پر مشہور سیاح ابن بطوطہ کے اس بیان سے روشنی پڑتی ہے کہ:

''ہنور میں ہر سمت سے بے شمار جہاز آتے ہیں، یہاں کے باشندے مسلمان اور شافعی ہیں، اگرچہ یہ لوگ صلح پسند ہیں مگر اکثر جہاد میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں کی عورتیں بلکہ تقریباً ان تمام ساحلی شہروں کی عورتیں سلا ہوا کپڑا نہیں پہنتی ہیں بلکہ ایک کپڑا (ساڑی) بدن پر یوں رکھ لیتی ہیں کہ نصف کمر تک باندھ لیتی ہیں اور نصف کو سر میں لپیٹ لیتی ہیں، ہنور کا بادشاہ آج کل سلطان جمال الدین بن حسن ہے جو ایک ہندو راجہ کا باج گزار ہے۔ اس کی فوج میں چھ ہزار سپاہی ہیں، یہاں کے اکثر باشندے حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ ان اضلاع میں جہاں مسلمان تاجر ہوتے ہیں امیر وغریب مسلمان مسافر سب ہی ان کے یہاں اترتے ہیں۔ ہر طرف سرسبزی اور ہریالی ہے، ہر شخص کے پاس اپنا باغ ہے جس میں اس نے اپنا گھر بنالیا ہے''

ابن بطوطہ کے اس بیان سے آٹھویں صدی کے علاقہ ہنور میں مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی، تمدنی، دینی اور علمی زندگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ الغرض پہلی صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی تک ان ساحلی مقامات پر تمام تر بحری تجارت ان ہی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، مگر بعد میں پرتگیزیوں نے ان علاقوں پر قبضہ کر کے مسلمانوں سے تجارت چھین لی اور ان پر بے پناہ مظالم کر کے ان کو بے دست و پا کرنے کی کوشش کی۔ بڑے ظلم وستم کے ساتھ عیسائی بنانے کی تحریک جاری کی، اس کی پوری تفصیل علامہ زین الدین ملیباریؒ نے ''تحفۃ المجاہدین'' میں درج کی ہے، جو بڑی دردناک ہے۔ اس طرح پرتگیزیوں کے عمل دخل کے بعد ان ساحلی علاقوں کے مسلمان تاجر ناکام بنادیے گئے۔

ہنور اور بھٹکل کے ساحلی مقامات پر جو مسلمان پائے جاتے ہیں، ان کی اکثریت ان عرب تاجروں کی ہے جو بصرہ، اسیرات، عمان، بحرین، عدن، حضرموت وغیرہ سے براہ سمندر ہندوستان اور چین تک تجارت کرتے تھے، ان کی بود و باش اور لباس و زبان میں اب تک عربیت کی خوبو باقی ہے، یہ لوگ اپنے ساتھ حجاز کا فقہی مسلک ہندوستان لائے اور

شافعی رہے جس پر اب بھی قائم ہیں۔ان کا عام لباس اب بھی تہ بند ہے جوازار اور فوطہ کے نام سے قدیم زمانے سے عربوں میں رائج تھا،ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق اب بھی عورتوں میں ساڑی کا رواج ہے،مہمان نوازی اور سیر چشمی کی صفت اب تک باقی ہے، نیز آباء واجداد کا تجارتی پیشہ ابھی تک زندہ وسلامت ہے۔ یہاں کے تاجر کلکتہ،بمبئی،منگلور، بنگلور، کالی کٹ ، مدراس ، کولمبو،عرب ممالک اور ملایا (ملیشیا) وغیرہ میں کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کونوائت کہتے ہیں۔ یہ عربی کے لفظ نوتی کی جمع ہے۔

مسعودی نے ''مروج الذھب'' میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں نوتی اور نوائت سے مراد تجارتی کشتیوں اور جہازوں والے لیے ہیں۔ ہمارے نزدیک نوائط کا املا اور تلفظ صحیح نہیں ہے، یہاں کے مسلمانوں کے خاندان اور قبائل کے عوام اب تک عربی انداز میں ہندی تلفظ کے ساتھ محفوظ وموجود ہیں۔ مثلاً شاہ بندری (جہاز رانی اور ساحل کا ایک عہدہ) معلّمی (جہاز راں کپتان) داموی یہ لفظ عاموری ہے،اس نسبت سے آج بھی عرب میں لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ مجلّہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ایڈیٹر اور ہمارے دوست شیخ محمد سعید ''العاموری'' ہیں۔ غالبًا یہ حضار کا کوئی قبیلہ ہے۔اسی طرح رکن الدین،سید محی الدین (سیم دین) قاضیا،صدیقہ،سکری وغیرہ خاندان اور قبائل ہیں۔قدیم زمانے میں مذہبی عالم کو فقیہ کہتے تھے۔آج کل خلیفہ (خلفو) کہتے ہیں۔بھٹکل کے محلوں کے نام سے بھی عربیت کا ظہور ہوتا ہے،سلطانی محلّہ،اسی میں سلطانی مسجد ہے جو ٹیپو سلطان کی والدہ نے بنوائی ہے۔ جامع محلّہ،اسی میں جامع مسجد واقع ہے،خلیفہ محلّہ، یہ کسی عالم کی نسبت ہے،مشما محلّہ،الواء محلّہ،شاہولی محلّہ،تکیہ محلّہ،آثار کیری،اسے آج کل اچار کیری (آم کا اچار) کہتے ہیں۔

یہاں پر پردے کا خوب شدت سے رواج آج بھی ہے،مسلمان عورتیں برقع میں نکلتی ہیں ہر گھر میں کنواں ہوتا ہے،تقریباً ہر گھر کے دائیں بائیں ناریل کا مختصر باغ ہوتا ہے۔ دوران قیام میں صرف ایک فقیر سوال کرتا ہوا ملا تھا۔ مسلمانوں کی آبادی ایک جانب ہے، کل آبادی پندرہ ہزار ہے،جس میں دس ہزار مسلمان ہیں،اکثر کا ذریعہ معاش تجارت ہے،

کھیتی باڑی اور باغبانی بھی ہوتی ہے۔ چوک، میونسپل مارکیٹ وغیرہ کھلے بازار ہیں، گلیاں قدیم زمانے کی تنگ ہیں، دو ہائی اسکول ہیں ایک مسلمانوں کا ہے یہ تحصیل کا صدر مقام ہے، یہاں ایک کورٹ بھی ہے، ایک ہسپتال ہے جسے چالیس ہزار کے صرفے سے مولانا ابوبکر لنگی والے نے بنوایا ہے، کئی ڈسپنسریاں ہیں ڈاکٹری کے ساتھ طبی طریقہ علاج بھی رائج ہے، ان دنوں گلی کوچوں میں پانی کے لئے پائپ لگائے جارہے ہیں۔

یہاں قدیم زمانے کے بعض آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ ''مونی بستی'' میں ایک قدیم جین مندر ہے جس کی عمر ڈیڑھ ہزار سال بتائی جاتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک رانی کا محل تھا جو پتھروں کی سلوں اور لمبے لمبے ستونوں سے بنایا گیا تھا، چھت بھی پتھر ہی کی ہے، اس کے علاوہ اور بھی چھوٹے بڑے محل ہیں، بعض پر قدیم زمانے کی تحریریں بھی پائی جاتی تھیں۔

یہاں بستی کے باہر دکھن جانب ''نماز کا پتھر'' نامی ایک پہاڑی ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ جب عرب مسلمان تاجر و مبلغ یہاں آئے تو انہوں نے بندرگاہ کے اوپر اسی جگہ پہلی بار اذان دی اور نماز پڑھی، بعد میں اس جگہ لوگ نماز پڑھتے رہے، اب اسے گھیر دیا گیا ہے لوگ تفریح کے لیے یہاں جاتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ کہنا چاہیے کہ ان اطراف میں یہی مقام ہے جہاں اللہ کے بندوں نے پہلی بار اللہ کی عبادت کی تھی۔

بھٹکل، ہنور کے ملحقات میں تھا، پہلے اسے ''آباد قلعہ'' کہتے تھے۔ چنانچہ کئی قلمی کتابوں کے مصنف جن کو ہم نے دیکھا ''الباد قلی'' کی نسبت سے مشہور ہیں اور ان کے نام کے ساتھ یہ نسبت موجود ہے، کثرت استعمال سے آباد قلعہ کے بجائے ''باد قلعہ'' ہوگیا، مگر نویں صدی میں اسے بھٹکل کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ہم نے وہیں ایک عربی کتاب دیکھی اور اس میں ایک بھٹکلی عالم و شیخ حضرت فقیہ اسمٰعیل سکری کے عربی مرثیہ میں ایک عالم نے یہ دو شعر بھی لکھے ہیں۔ ؎

و نسبة ذات سكرى بشهرة ونسبة دار بهـٹـكـلـی تعهد

بتسع لمأة ثم تسع وأربعين   من الله موت واجب الفارق تفقد

(فقیہ اسمٰعیل کی نسبت سکری شہرت کی وجہ سے اوران کے وطن کی نسبت بھٹکل ہے، وہ ۹۴۹ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے)

باقی رہا یہ سوال کہ اسے بھٹکل کیوں کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بھٹ اور کلہ دو لفظ ہیں بھٹ کے معنی سخت سیاہ کے ہیں اور کلہ کے معنی پتھر کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کلہ کے معنی قزاق اور ڈاکو کے ہیں، میں نے ازراہ تفریح اسے عربی بنانا چاہا اور کہا کہ یہ عربی جملہ ''بُهِتَ الكُل'' ہے۔ (سب لوگ مبہوت رہ گئے) جب مسلمان یہاں آ کر آباد ہوئے اور مقامی لوگوں نے ان اخلاق واطوار اور دینداری کو دیکھا تو ان کے بارے میں جو غلط خیالات تھے یک بیک ختم ہو گئے اور سب لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ محترمی مولانا علی میاں صاحب نے تفریحی طور سے اس کی عربیت یوں بیان فرمائی کہ یہ اصل میں "بیتُ الکُلّ" (سب کا گھر) ہے۔ ابتداء میں عرب مسلمان الگ الگ خیموں میں مقیم ہو گئے، پھر ایک بڑا خیمہ نصب کیا گیا اور سب لوگ اسی میں رہنے لگے، اس لئے اسے بیت الکل کہا تھا، یہ دونوں توجیہات تفریحی ہیں۔

کسی نئے مقام پر دو چار دن رہ کر وہ بھی ہنگامی حالات میں وہاں کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے بھٹکل یا اہل بھٹکل کے بارے میں یا اور معاملات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایک چلتا پھرتا تأثر ہے۔ یہ تو آج کل کے یورپ کے محققین کا دستور ہے کہ کسی ملک کا ہفتہ دو ہفتہ دورہ کیا اور چند مقامات پر آئے گئے اور واپس جا کر نہایت ضخیم کتاب لکھ دی، جس میں ایک ایک کہانی کو اس ملک کی عام روایت ثابت کرتے کراتے ہیں اور جہاں جو چیز دیکھی اسے اس ملک کی عادت وتقلید میں شمار کرتے ہیں، سیر وسیاحت اور تاریخ نویسی کا یہ سطحی ذوق بہت غلط ہوتا ہے، ویسے ہم نے اس سیاحت نامہ میں داستان سرائی سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ (۱)

---

(۱) ''البلاغ'' ممبئی جنوری فروری ۱۹۷۱ء

قوم نوائط:

اس میں شک نہیں عربی النسل خاندان جو باہر سے یمن، حجاز، عراق وغیرہ سے آئے انہوں نے ہندوستان میں اپنا تمدن باقی رکھا، اور اپنی دینی روایات کی پاسداری کی، انہی عربی النسل خاندانوں میں ایک قوم مختلف خاندانوں پر مشتمل ہے، یہ قوم قوم نوائط کہلاتی ہے، ان کی کچھ خصوصیات تھیں، عہد بہ عہد جن کی اس قوم نے پوری پاسداری کی، اس سے ان کے یہاں خاندانی تحفظ، دین کا پاس ولحاظ، شعائر اللہ کی عظمت، حجاب، حیاء اور نماز اور طہارت کا اہتمام، حرمین شریفین سے تعلق، سخاوت، کسب معاش اور خودداری جیسی اور بہت سی خصوصیات رہیں، مصنف تاریخ النوائط نواب عزیز جنگ بہادر نے جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

قوم نوائط کا بڑا حصہ مذہب سنت جماعت (اہل سنت والجماعۃ) کا پیرو اور شافعی المذہب ہے، بعض افراد قوم مذہب امام اعظمؒ کی پیروی کرتے ہیں، شاذ ونادر تفضیلیہ ہیں، لیکن اصول مذاہب اربعہ کے تابع۔ (ص:۴۰)

اور لکھتے ہیں:

”زمانۂ حال تک اس قوم کے کل افراد اپنے مذہبی احکام کی سخت پابندی کرتے ہیں، اور طہارت کے نہایت محتاط ہیں، اکثر افراد قوم ہمیشہ باوضو رہتے ہیں، ریاضت کے عادی ہیں، اس قوم کے بہت کم افراد ایسے پائے جائیں گے، جو حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً کے طواف وزیارت سے مشرف نہ ہوئے ہوں، صوم صلوٰۃ کی پابندی ان کی بہترین عادت ہے، نماز جمعہ ہمیشہ جامع مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ تقسیم زکوٰۃ میں تساہلی نہیں کرتے، صلہ رحمی کا خیال کرتے ہیں، اپنے خاندان کے مفلوکوں کی اعانت اور خبر گیری میں کوتاہی نہیں کرتے، میراث کی تقسیم میں بلا لحاظ امیر وغریب بغیر مناقشہ باہمی تصفیہ کر لیتے ہیں، علوم دینی کی تحصیل کو دیگر علوم دنیوی پر مقدم جانتے ہیں، اکثر افراد حافظ قرآن ہیں،

اور پابندی کے ساتھ سادہ طریقہ پر عمل کرتے ہیں اور شرعی احکام کا لحاظ رکھتے ہیں اپنی قوم کے رنج وراحت میں شریک رہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ اس قوم کا طرز عمل اکثر امور میں احکام مذہب کا پابند ہے۔

کفو کی پابندی اس قوم کی اعلیٰ صفت ہے، حقیقت یہ ہے کہ کفو کی پابندی جس قدر اس قوم میں رہی ہے اس قدر ہندوستان کے اور اقوام میں کم پائی گئی ہے، فریق ثانی کیسا ہی مالدار اور کیسا ہی شریف کہلائے اگر وہ قوم نائط سے نہیں ہے تو کسی حالت میں نہ اس کو لڑکی دی جاتی تھی اور نہ اس کی لڑکی لی جاتی تھی، اسی پابندی کی برکت ہے کہ زمانۂ حال تک اس قوم کا نسب قائم ہے۔(ص:۴۱-۴۳)

کفو کے بڑے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

''جس قدر فوائد پابندیٔ کفو میں متصور ہیں وہ کسی طرح غیر کفو سے متوقع نہیں ہو سکتے، قومی شرافت کا یقین اخلاقی معلومات صحت کے حالات جس حد تک کفو میں معلوم ہو سکتے ہیں ناممکن ہے کہ غیر کفو میں ان پر جیسا چاہئے بھروسہ ہو سکے، جن اقوام میں پردہ کی پابندی ہے، ان میں ایک اور نعمت صرف کفو ہی کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔(ص:۴۴)

تعلیم وتربیت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

'' قوم نائط اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں زیادہ سعی کرتی ہے، لڑکا ہو یا لڑکی اس کو اول کلام مجید کا درس دیا جاتا ہے، اکثر خاندان اپنے لڑکوں کو حفظ قرآن سے پہلے کسی اور کتاب کو پڑھانا پسند نہیں کرتے، ختم قرآن کے بعد فقہ اور عقائد کے اردو رسائل پڑھاتے ہیں، پھر انشاء، فارسی اور عربی کی صرف کا آغاز ہوتا ہے، عربی کی صرف ونحو سے فراغت ہونے کے بعد علوم دینیہ سے فقہ اور حدیث کو اور علوم پر ترجیح دی جاتی ہے، مغربی علوم سے اکثر خاندانوں کو تنفر ہے، ان کا خیال کہ مغربی علوم سے اسلامی خیالات میں فرق آجاتا ہے فی زمانہ اکثر روشن خیال خاندانوں نے تعلیم مذہبی کے بعد علوم مغربیہ کی ضرورت کو بھی تسلیم

کیا ہے، دنیوی ضرورتوں کے لحاظ سے ان کا یہ خیال بہت درست ہے، جہاں کہیں تعلیم فنون کے مدارس قائم ہیں، وہاں اس قوم کے افراد اپنی اولاد کو خوشی کے ساتھ تعلیم دلواتے ہیں، لڑکیوں کو ختم کلام مجید کے بعد صرف اردو زبان کی دو چار مذہبی کتابیں اور طرز معاشرت کا کوئی ایک رسالہ اور علم حساب کی تعلیم کافی سمجھی جاتی ہے، خطاطی کی تعلیم سے اکثر خاندان احتراز کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ کتاب کا پڑھ لینا کافی ہے۔ (ص ۵۰-۵۱)

عزیز المطابع حیدرآباد سے چھپی ۱۳۲۲ھ میں اس کتاب کے مندرجہ بالا اقتباس سے ایک صدی قبل کی معاشرت وتمدن پر جو روشنی پڑتی ہے بھٹکل میں آباد قوم نوائط کے خاندان آج بھی ان خصوصیات کو دانتوں تلے دبائے نظر آتے ہیں) حالانکہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں مغربی سامراج کے اثرات سے محفوظ رہنا اور سوشل میڈیا کے عام ہوجانے سے قدیم روایات کی پاسداری یقیناً مشکل کام ہے۔

مولانا عبدالباری ندویؒ کا عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ان خطرات اور اندیشوں کا اندازہ لگا کر اس کے خلاف نہ صرف مہم چھیڑ دی تھی بلکہ اپنے مواعظ وخطبات کے ذریعہ وہ حفاظت دین وتہذیب دین کی مسلسل وصیت فرماتے رہے۔

القاب وخطابات:

واضح رہے کہ مختلف عرب خاندان کے افراد دعوت دین وتجارت کی غرض اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر ہندوستان کے مغربی ساحل یعنی بھٹکل میں قیام پذیر ہوئے اور یہ نو آمد افراد آپس میں خاندانی رشتوں سے منسلک رہے جو نوائط قوم کہلائی اور اسی اعتبار سے ان کے خاندانی بزرگوں کی نسبت کی بنیاد پر القاب قرار پائے، اس کو برصغیر کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی مسلم برادری پر قیاس نہ کیا جانا چاہیے، کیوں کہ ان علاقوں میں برادریاں پیشے اور کام کی بنیاد پر قرار پاتی رہی ہیں۔ قوم نوائط میں خاندانوں کی پہچان کے لئے القاب وخطابات کی ہمیشہ بہت اہمیت رہی ہے باوجود اعلیٰ خاندانی انتساب سادات وشیوخ اور وخلفائے

راشدین سے انتساب کے خاندانی لقب پایا جاتا ہے، جیسے سادات میں سید محی الدنیا، سید جمال الدنیا، سید برماور سید علی اکبرا، سید بافقیہ، سید کاظمی، سید مالکی وغیرہ ایسے القاب والے سادات میں ۹- یا دس خاندان بھٹکل میں ہیں جن میں اکثر حسینی نسبت رکھتے ہیں اور بعض حسنی نسبت کے حامل ہیں، اسی طرح صدیقی شیوخ میں قاضیا خاندان، اکرمی خاندان، خلیفہ خاندان، خطیب اور خطیبی خاندان وغیرہ اور فاروقی انتساب رکھنے والے خاندانوں میں ایک باوقار خاندان رکن الدین وغیرہ ہیں۔

مؤلف تاریخ النوائط نواب عزیز جنگ بہادر کا بھٹکل کے تعلق سے کہنا ہے کہ:

''بعض القاب کو اسی قوم کے تاجرین نے بطور خاص اختیار کیا ہے، جن کا تعلق بمبئی پریسیڈنسی کے موضع بھٹکل سے ہے، مؤلف کو مدراس میں ان حضرات سے صرف ملاقات ہی کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ مؤلف نے ان سے خاص کر القاب کی نسبت گفتگو بھی کی ہے۔

بعض ذی علم افراد نے فرمایا کہ وہ انہیں القاب کی بدولت اپنے کفو کے پابند ہیں۔ ان کو بھروسہ نہیں ہے کہ حصہ ماضیہ کے القاب اختیار کرنے والے افراد کفو کے پابند بھی ہیں، یا نہیں وہ سنتے ہیں کہ کفو کی پابندی اپنے گروہ کے سوا اوروں میں کم ہو چلی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اوروں کو اپنے مساوی نہیں خیال کرتے......

وہ صرف انہیں افراد کو اپنی قوم سے سمجھتے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ القاب ذیل لکھے جاتے ہیں، اس گروہ کا بالاتفاق اس کا اعتراف ہے کہ ان کا نسبی سلسلہ جعفر طیار تک پہنچتا ہے (ص ۲۱۸-۲۱۹)

جن کے القاب کا تذکرہ خصوصیت سے مصنف تاریخ النوائط نے کیا ہے وہ ہیں

افریقہ (یعنی ان کے اجداد کی تجارت افریقہ میں مشہور رہی تھی)

اکرمی: جن کے مورث محمد اکرم نایطی بڑے تاجر گذرے اور قاضی اکرم کے نام سے سورت میں بڑی تجارت تھی۔

ائیکری: جن کے اجداد بڑے خوشحال اور زمین وجائداد اور تجارت کی وسعت میں معروف رہے ہیں۔

دامدا: ان کے اجداد میں بڑے تاجر گذرے۔

سکری: سکر یعنی شکر کا بڑا کاروبار ان کے اجداد کا تھا اور ان کے اجداد میں قاضی حمید اللہ کوکن میں مقیم تھے بڑے تاجر اور مقبول ترین واعظ، مختلف زبانوں میں جامع مسجد میں وعظ کہتے، اور غیر اقوام کا بھی مجمع کثیر خطاب سنتا چونکہ ہندی میں جمعہ کو سکروار کہا جاتا ہے، اور آپ کے خطاب ووعظ کی وجہ سے بازار بند ہوجاتا تھا لوگوں نے سکری نام دے دیا، ان کے ایک بڑے بزرگ فقیہ مخدوم اسمٰعیل بھی گذرے ہیں۔

شاہ بندری: ان کے اجداد بڑی شان کے گذرے ہیں، جنہیں بادشاہی مہر بھی عطا کی گئی تھی۔

صدیقہ: یہ خاندان بصرہ سے ہندوستان آیا ان کے مورث اعلیٰ صدیق بن عمر تھے۔

فقیہ: یہ خاندان فقیہ مخدوم اسمٰعیل سکری کی طرف انتساب رکھتا ہے جو مشہور اور بڑے عالم ومدرس مولانا محمد حسین شہید نائطی کے جد اعلیٰ تھے، اور وہ ایسے فقیہ تھے جن کی نظیر نہیں تھی۔

محتشم: اس خاندان کے جد اعلیٰ محمد محتشم تھے، جن کی کوکن میں بڑی تجارت تھی۔

خطیب اور خطیبی: یہ ایک دین دار، نیکی شعار، پاکیزہ کردار خاندان ہے، جو اچھی تجارت کے ساتھ دینی مقام میں معروف رہا ہے دینی اعتبار سے بھٹکل کی تاریخ میں اس خاندان کا بڑا کردار واعتبار رہا ہے۔

ملا: اسی طرح ملا خاندان بھی ہے، یہ خاندان بھی دین کی نسبت سے زیادہ معروف ہوئے، ملا اسمٰعیل نائطی (۱) بڑے خادم دین گذرے ہیں۔

---

(۱) اس وقت بھٹکل میں چیف قاضی بھی اسی خاندان سے نسبت رکھنے والے مولانا ملا اقبال ندوی ہیں۔

فکردے: ان کے بڑے بزرگ فخر الدین نامی گذرے ہیں ان سے نسبت ہے۔

منیری منیرا: یہ خاندان اور اکرمی خاندان اوپر جا کر مل جاتے ہیں۔ان کے علاوہ اور القاب خاندان ہیں جسے بافقیہ،فقیہ احمدا، وامدا فقیہ وامدا ابو،کولا، دامودی ، ارمار، جوکاکو، ملپا وغیرہ ہیں اختصار کے پیش نظر یہاں اس کی تفصیل مناسب نہیں سمجھی گئی۔

قوم نوائط کے اصحاب فضل وکمال:

قوم نوائط میں اصحاب فضل وکمال ہر دور میں رہے ہیں، چونکہ نوائط کا ساحلی پٹی پر بسنے کی وجہ سے دہلی اور اس کے اطراف سے رابطہ کمزور رہا اس لئے وہ زیادہ متعارف نہ ہوسکے برخلاف موجودہ دور کے جب کہ سفر کی آسانی نے اس کو آسان بنا دیا ہے۔

تاریخ النوائط کے مصنف نے مشاہیر قوم نوائط کا تعارف کرایا ہے اور اس میں تعلقہ بھٹکل کے اشخاص وافراد کو نمایاں جگہ دی ہے۔جن میں اہل علم وفضل، اہل اصلاح وارشاد، اہل سخن، اور اصحاب کسب وتجارت ہیں، پوری قوم نوائط کے مشاہیر کو انہوں نے نو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) سالکان طریقت (۲) علماء وفضلاء (۳) والیان ریاست (۴) وزراء
(۵) امراء (۶) اطباء (۷) شعراء (۸) تجار (۹) دیگر مشاہیر۔

قوم نوائط کے رجال کے تذکرے:

والیان ریاست وسلاطین میں نواب ٹیپو سلطان شہید ابن نواب حیدر علی شہید والی ریاست میسور۔سالکان طریقت میں قاضی حبیب اللہ قادری مدراسی۔

اہل علم وفضل میں ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم (پیرس) اور قدیم بے نظیر اصحاب فضل وکمال میں حضرت مخدوم علی مہائمی (مدفون ماہم ممبئی)۔تجارت میں شاہ بندری عبدالقادر نائطی۔

---

(۱) علامہ سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء نے یاد ایام (مختصر تاریخ گجرات) میں ان کا اچھا تذکرہ کیا ہے۔
(۲) ان سے متعلق تفصیل [illegible] مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی کی کتاب [illegible] "اقوال النائطی" [illegible]

حضرت مخدوم علی مہائمی وہ جامع فضائل ہستی تھے جن کی نظیر نہیں، فضائل علوم اور مراتب سلوک میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مثل کہے جاتے ہیں، اگرچہ حضرت شاہ ولی اللہ کا زمانہ بعد کا ہے (۱)۔ کثرت تصانیف، شعر گوئی، طریقت وسلوک کی جامع شخصیت فخر قوم نوائط کے طور پر مولانا محمد باقر آگاہ نائطی (۱۱۵۸ھ-۱۲۲۰ھ) کی شخصیت ہے۔ (۲) جنہوں نے نہ صرف حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا زمانہ پایا بلکہ ان سے علم وفضل میں خصوصی طور پر استفادہ کیا مؤلف تاریخ النوائط نے ان کے بڑے حوالے دیئے ہیں، عربی، فارسی، اردو زبانوں میں ان کی بڑی کتابیں اور شعری دواوین ہیں۔

یہ بھٹکل اور اس کے اطراف میں آباد قوم نوئط کا نصیب ہے کہ یہ قوم نوائط کا سب سے زریں عہد بھٹکل کے نوائط کا ہے، جہاں علم وفضل، طریقت وسلوک، شعر وسخن، تصنیف وتحقیق، تجارت وصنعت سبھی اصناف کے لوگ جمع ہوگئے۔

اور یہ فیضان ندوۃ العلماء لکھنؤ کے حصہ میں آیا کہ اس کے ذمہ داروں نے اس دور دراز خطہ کے طالبین علم وسلوک کی رہنمائی اور تعلیم وتربیت کے لئے اپنے ایک مؤقر وسعید فرزند مولانا عبد الحمید ندوی کو ۲۹-۱۹۳۰ء میں انجمن حامی مسلمین بھٹکل میں بحیثیت استاذ دینیات کے بھیجا، اور انہوں نے اپنی زندگی عالمانہ وقار، داعیانہ کردار، خودداری اور مال ودولت سے بے نیازی کے ساتھ وہاں لگادی جس کا بھٹکل کے ماحول پر غیر معمولی اثر پڑا، یہی وجہ ہے کہ ان کی تربیت سے ندوہ کا فیضان بھٹکل میں مختلف حیثیتوں سے ظاہر ہوا اور مختلف طبقات میں اس کی نمائندگی کررہا ہے، حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ اور جناب الحاج محی الدین منیری صاحب مرحوم نے کی، اور یہ دونوں بزرگ مولانا عبد الحمید ندوی مرحوم کے باقاعدہ شاگرد بھی ہیں، ان کے علاوہ جامعہ اسلامیہ کے توسط سے ان کے شاگرد مولانا ملا محمد اقبال ندوی مولانا صادق اکرمی ندوی، مولانا محمد غزالی خطیبی ندوی، مولانا ایوب برماور ندوی، مولانا خلیفہ عبد العزیز بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء وہ نام ہیں

(۱) عرب و دیار ہند ص: ۳۵۰

جن سے بھٹکل کے دینی ماحول اور مسلم سماج کو مختلف جہات سے نمایاں ترقی ملی۔

فکردے خاندان:

مولانا عبدالباری ندوی کا خاندان بھی قوم نوائط کے عربی النسل خاندان سے ہے جس کے افراد بھی نوائط کہلاتے ہیں، عہد نبوی کے کسی ایک فرد کی طرف اس کی نسبت حتمی وقطعی طور پر نہیں، لیکن مؤرخ طبری، محدث نووی، نسابہ سمعانی اور دوسرے مؤرخین ومبصرین کے اقوال اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اصلاً قرشی النسل ہیں، اور یہ اطلاق درست ہے کہ نضر بن کنانہ کی سب اولاد ہیں جن میں بنو ہاشم بھی ہیں، بنوعدی بھی، بنوتمیم بھی، بنو امیہ بھی، اور بھی نسبتوں کے حامل اور یہ نسبتیں خاندانی القاب سے جو کسی مشہور شخصیت کے نام سے جڑ گیا تھا، پہچان لی جاتی ہیں، مولانا عبدالباری ندوی کا خاندانی لقب فکردے ہے، جو فخر الدین نامی صاحب مقام وحیثیت فرد سے انتساب رکھتا نظر آتا ہے، یہ مصنف ''عرب ودیار ہند'' مولانا خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی کا رجحان ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

''یہ بھی اہل نوائط میں سے ہیں، اور انہیں نوائط برادری میں معاشرتی لحاظ سے مشترک ومساوی مقام حاصل رہا ہے، یہ گھرانہ بھی تاجروں کا ہے، اور اسی میں فروغ اور ترقی پا رہا ہے''۔(۱)

لیکن مولانا عبدالباری ندوی نے ارشاد وتربیت، تعلیم ودعوت، امامت وخطابت، اور اپنی ذاتی زندگی میں تقوی وطہارت سے اس خاندان کو وہ مقام دلایا جو اس حیثیت سے متعارف نہیں تھا، مولانا کا رشتہ حسینی سادات میں سید محی الدینا لقب سے مشہور گھرانہ میں ہوا۔ مولانا کا ننیہال فقیہ احمدا خاندان ہے ان کے نانا عبدالرحمٰن فقیہ احمدا مرحوم تھے۔(۱)

سادات نوائط:

سیدنا حسن وسیدنا حسین رضی اللہ عنہما سے خاندانی نسبت رکھنے والے افراد کچھ

(۱) فقیہ احمدا خاندان کی طرف نسبت رکھنے والے اور بھی علماء ہیں اس کی طرف آبائی نسبت رکھنے والوں میں ممتاز فرد مولانا محمد الیاس ندوی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دعوت وتبلیغ کی نسبت سے کچھ نامساعد حالات کے باعث اور بعض دوسرے اسباب مختلف ادوار میں دنیا کے مختلف حصوں مراکش، مصر، یمن، عراق، شام، ہندوستان وغیرہ آئے۔ ہندوستان کی ساحلی پٹی پر جو سادات خاندان آباد ہوئے اور قوم نوائط کے خاندانوں سے ان کا ربط ورشتہ ہوا وہ سادات نوائط کہلائے، ان میں بھٹکل میں جو سادات خاندان آباد ہوئے، ان میں ایک خاندان سید محی الدینا (ایس ایم) ہے۔ اسی خاندان میں مولانا عبدالباری ندوی کا رشتہ جناب نظام الدین ایس ایم کی صاحبزادی سے ہوا، جن سے ان کے تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی ہوئی، صاحبزادی کا نکاح رکن الدین خاندان کے ایک صالح تاجر فرد بلال بن محمد سائب سکری رکن الدین سے کیا گیا ہے رکن الدین خاندان بھٹکل کے اہم خاندانوں میں ایک باوقار خاندان شمار ہوتا ہے۔

مصنف عرب ودیار ہند سادات نوائط بھٹکل کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاں تک مقامی سادات نوائط کا تعلق ہے وہ اپنے جدی نسبت اور سلسلوں کے لحاظ سے مختلف اور الگ الگ خاندانوں میں منقسم نظر آتے ہیں، مثلاً سید محی الدینا القاب کا گھرانہ ان کے شجرۂ نسب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے چھٹے بزرگ سید علی بن سید ابراہیم بغدادی تھے، ان کے صرف دو فرزندوں کا ثبوت ملتا ہے، ایک سید محی الدین اور دوسرے سید حسن، ان کے سوا ان کی اولاد تھی یا نہیں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، ان دو بزرگوں کی اولاد وامجاد انہیں دو ناموں سے منسوب ہوگئی، ان کا شجرۂ نسب یہ ہے:

سید علی بن سید ابرہیم بغدادی، ابن سید محمد، بن سید جمال الدین، ابن سید عیدروس، ابن سید اسمٰعیل، ابن سید علی، ابن سید اسمٰعیل، ابن سید ابراہیم، بن سید جمال الدین، بن سید شریف محمد، بن سید نور محمد، بن سید حاطم، بن سید علی، بن سید ابراہیم، بن سید احمد، بن سید علی، بن سید محمد، بن سید شمس الدین، بن سید ثابت، بن سید عظیم، بن سید محمد، بن سید موسیٰ کاظم، بن سید جعفر صادق، بن سید باقر، بن امام زین العابدین، بن امام سیدنا حسینؓ۔ (۱)

(۱) عرب ودیار ہند، ص: ۳۵۹-۳۶۰

دوسرا باب

مختصر حالاتِ زندگی

پیدائش:

پیدائش ۱۶/ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶/ نومبر ۱۹۶۱ء بدھ کے دن جمعرات کی شب بعد نماز عشاء ۸ بجے جامع مسجد کے بائیں جانب گلی میں واقع جاکٹی ہاؤس میں جناب عبدالرحمٰن فقیہ احمد اصاحب کے گھر ہوئی، عبدالباری نام رکھا گیا، ۸ ماہ کے ہوئے کہ نانا عبدالرحمٰن فقیہ احمد اصاحب کا انتقال ہوگیا، نانا کو اپنے ان نواسے سے بڑی عقیدت تھی، دو تین مرتبہ ان کی زبان سے یہ جملے بھی نکلے کہ یہ بچہ دنیا میں اپنا نام روشن کرے گا۔

تعلیم اور ابتدائی حالات:

پانچ سال کی عمر میں مکتب جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے دینی تعلیم کا آغاز ہوا، قرأت، اذان، امامت وغیرہ کی مشق اپنے طور پر بھی شروع کردی تھی جب کہ ۶-۷ سال کی عمر تھی۔

ان کے سب سے چھوٹے فرزند مولوی عبدالنور فکردے نے ان سے متعلق اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

”ابھی اپنی عمر کی ساتویں منزل کو طے بھی نہیں کیا تھا کہ اپنے گھر جاکٹی ہاؤس میں اپنے گھر والوں کو جمع کرکے منبر کے طور پر بیٹھنے کا تختہ اور ایک لکڑی پر ناریل کا سوکھا، آدھا خول بطور مائک کے لگا کر جمعہ کے خطبہ اور اذان کی نقل اتارا کرتے تھے، کہیں گھر کے باہر کھڑے ہوکر اپنی معصوم و پیاری آواز میں عربی زبان کے الفاظ بولا کرتے تھے، جس سے

گزرنے والا آپ کی طرف متوجہ ہو جاتا۔"

ثانوی تعلیم اور عالی تعلیم جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں حاصل کی، پہلے جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں عالمیت کی مکمل تعلیم نہیں تھی آپ سے پہلے تکمیل عالمیت ہونے لگی، اور صرف فضیلت کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء جانا ہوتا۔ البتہ مولانا عبد الباری ندوی کے رفقاء کا کہنا ہے کہ وہ عالیہ ثالثہ یعنی ہفتم عربی میں ندوہ میں تھے پھر جامعہ واپس گئے اور وہاں سے عالمیت کی تکمیل کی۔

مولوی عبد النور فکردے اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

"جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے ۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ مطاطق ۲۲ر جون ۱۹۸۱ء کو عالمیت سے فراغت مکمل کی، مولانا مرحوم نے جامعہ اسلامیہ میں تعلیم اس وقت حاصل کی جب جامعہ اپنے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا، موصوف نے اپنی تعلیمی زندگی، ایک سعادت مند اور محنتی طالب علم بن کر گزاری، بچپن سے ہی اللہ نے آپ کو خوبصورت اور دلکش آواز سے نوازا تھا، پہلی مرتبہ جب موصوف نے جامعہ میں فجر کی نماز پڑھائی تو اس وقت جامعہ کے مشہور استاد مولانا شہباز اصلاحیؒ نے فرمایا تھا کہ ان کی تلاوت سن کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں، آپ نے اپنے اساتذہ کا آخری دم تک حد درجہ ادب واحترام کیا جس پر خود ان کے موجودہ اساتذہ کرام شاہد ہیں۔

پھر آپ نے عالم اسلام کی مشہور دینی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے ۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق ۷ر جون ۱۹۸۳ء کو فضیلت کی تکمیل کی"۔

جامعہ میں تقرر:

۱۵ر نومبر ۱۹۸۳ء کو جناب الحاج محی الدین منیری ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے ان کو تدریسی خدمت پر جامعہ اسلامیہ میں مامور کیا۔

نکاح:

سادات حسینی کے صالح فرد جناب سید نظام الدین سید محی الدنیا کی صاحبزادی سے

نکاح ہوا، یہ وہ نیک سیرت خاتون ہیں جن کی دادی ان کے لئے دعا کرتی تھی کہ اے اللہ میری اس پاکباز پوتی کا رفیق سفر خلفو یعنی مولوی ہو، یعنی نیک و بزرگ سیرت ہو، چنانچہ یہ رشتہ بڑا ہی مبارک ثابت ہوا۔

اہل خاندان کے ساتھ سلوک:

حدیث نبوی ہے: "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي"

[باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ رقم الحدیث ۴۲۶۹ سنن ترمذی]

(تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر شخص ہوں)۔

مولانا مرحوم کا تعلق اپنی اولاد کے ساتھ بے حد مشفقانہ رہا، اگر کسی بات پر غصہ بھی آجاتا تو فوراً نرم ہو جاتے اور پھر وہی محبت کا معاملہ شروع کر دیتے، گھر میں جب بھی آتے مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ سلام کرتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہوئے داخل ہوتے، کوئی مسئلہ ہوتا تو پوری متانت وسنجیدگی کے ساتھ حل کرتے، جب بجلی چلی جاتی تو خود اٹھ کر اپنی اولاد کو کہ ان کی نیند خراب نہ ہو پنکھا ہانکتے۔ والدین کا حد درجہ احترام کرتے، ہر چیز میں ان کی منشاء کا خیال رکھتے، اور ہر کام کے موقع پر ان سے اجازت لیتے، حتی کہ گھر سے نکلتے وقت بھی اجازت لیتے۔

صحت کا خیال، کھیل کے ساتھی اور حیا کا پاس:

مولانا کو صحت کا بہت ہی خیال رہا اور کیوں نہ رہتا حدیث میں آتا ہے "وَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" کہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، اس ارشاد نبوی پر بھی عمل کرتے تھے، وہ اسی جذبہ سے کھیلوں میں حصہ لیتے تھے چھوٹی عمر کے، کھیل کے رفقاء میں جلال بن خان ماسٹر، سجاد رکن الدین، تامبو جیلانی عبد القادر ندوی، قاضی عبد الصمد مرڈیشوری ندوی، محمد حسین گیما مرڈشیوری، رحمت اللہ شاہ بندری مرحوم، اطہر افریقہ، زبیر مارکیٹ کے ساتھ برسات کے موسم کی نرم مٹی پر کبڈی کھیلا کرتے تھے، اور باقی دنوں میں اکثر والی بال کھیلتے، والی بال کے اچھے کٹ ماسٹر تھے،

کبڈی کے بہترین رائڈر تھے، جب ان کو مخالف ٹیم کے کھلاڑی پکڑنے کی کوشش کرتے تو اپنے کسرتی بدن کی وجہ سے سبھی گتھم گتھا مخالف کھلاڑیوں کو کھینچتے ہوئے جیت کی لائن تک پہنچ جاتے تھے، مگر ستر کا بڑا خیال رکھتے تھے، اور حیا کے حدود کا پورا لحاظ رہتا تھا، گیلی مٹی میں گرنے کے باوجود لنگی گھٹنوں سے اوپر نہیں جاتی تھی، اور نہ ہی کھیلنے کے بعد سب کے ساتھ نہانا پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ کسی کے سامنے کیچڑ سے لت پت بنیائن تک نہیں اتارتے تھے، اسی طرح اختلاف کی بات میں کبھی جانبداری سے کام نہیں لیا، اگر بات زیادہ بڑھتی تو مولانا خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاتے، اور کنارے چلے جاتے، مسئلہ حل ہوجاتا اور کھیل دوبارہ شروع ہوتا تو شریک ہوتے ورنہ نہا دھو کر دوسرے معمولات میں مشغول ہوجاتے۔(۱)

جہاں تک صحت کے خیال کی بات ہے مولانا کی صحت ہمیشہ اچھی رہی، بالکل اخیر عمر میں ٹانگوں کی تکلیف پھر جان لیوا مرض درپیش ہوا، بچپن سے ایک مضبوط جسم رکھتے تھے، اچھی آواز رکھتے تھے جو آخر کے چند مہینوں پہلے تک ویسی ہی رہی، ٹانگوں کی تکلیف کی وجہ سے ایک ہفتہ بغرض علاج کالی کٹ میں قیام فرمایا تھا، بدن کسرتی تھا جسے دوہرا کہا جائے گا۔

سفر حج اور دوسرے اسفار:

۲۳ر جولائی ۱۹۸۹ء بروز اتوار مولانا حج بیت اللہ کے لئے عازم سفر ہوئے، اور مکہ معظمہ سے واپسی براہ دبئی ۲۷ر اگست بروز اتوار ہوئی، مولانا نے اپنی زندگی میں دو حج کیے، اور اپنی شریک حیات اور جملہ اولاد کے ساتھ زندگی میں دو ہی سفر کیے، ایک بنگلور کا، اور دوسرے اپنے بردار نسبتی مولانا سید ہاشم نظام الدین کے بڑے اصرار وتقاضے پر حیدرآباد اور وجے واڑہ کا سفر کیا، علاوہ ازیں اپنی اہلیہ اور چھوٹے بیٹے عبدالنور فکردے کو لے کر ۱۴۳۱ھ کو مکمل رمضان گزارنے کے لئے عمرہ پر گئے، مولوی عبدالنور کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے لئے یہ ایک یادگار سفر تھا" ایک طویل سفر جامعہ اسلامیہ کے جشن زریں کے بعد خلیجی ممالک کا چالیس دن کا کیا تھا، جو دعوتی واصلاحی دورہ تھا جس میں روز دو تین تقریریں کی تھیں لیکن

(۱) بحوالہ نقاش نائطی

رات دیر میں سونے کے باوجود آخری شب کی بیداری میں فرق نہ آنے دیا۔

وفات:

۸؍جمادی الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍فروری ۲۰۱۶ء کو بدھ کے دن شام پونے پانچ بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، سبب وفات معدے میں کینسر تھا اور صحیح بخاری کی روایت ہے ''اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ'' (کہ پیٹ کی بیماری میں انتقال کرنے والا شہید ہے)(۱) اس طرح آپ کو شہادت کی موت حاصل ہوئی۔

عبدالنور فکردوے کہتے ہیں: آپ کو حسن انجام وعاقبت محمود کی فکر رہتی تھی، آپ کے شیخ اور مرشد اول حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ اکثر یہ دعا پڑھا کرتے ہیں ''الٰہی عاقبت محمود کردے'' آپ بھی حضرت نوراللہ مرقدہ کے حوالہ سے یہ دعا ورد زبان رکھتے تھے، چنانچہ یہ دعا آپ کے حق میں دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے قبول ہوئی جس کی تفصیل قارئین سفرآخرت کے باب میں ملاحظہ کریں گے۔

میں اپنے عزیز دوست مولوی عبیداللہ اسحاقی ندوی (حال مقیم مکہ معظّمہ) کی دعا پر (جوانہوں نے کعبۃ اللہ کے سامنے جمعہ کو عصر ومغرب کے درمیان اپنے استاذ جلیل کے لئے کی) اپنی بات ختم کرتا ہوں:

اللّٰهم إنّا نسألك في هذه الساعة المباركة أن تغفرنا وترحمنا وتغفر وترحم آبائنا وأمهاتنا وأرحامنا وأساتذ تنا ومشايخنا وأن تخص والدينا وشيخنا عبدالبارى وكل من أحسن إلى الإسلام والمسلمين من المفسرين والمحدثين والفقهاء والعلماء والمصلحين والمجددين وعبادك الصالحين والمسلمين، اللّٰهم أنزل عليهم شآبيب بركاتك وصب عليهم غزير رحماتك واجمعنا بهم بغير حساب ولاعذاب في أعالي جناتك مع الحبيب المصطفىٰ ﷺ إلىٰ يوم الدين، اللّٰهم عم مغفرتك ورحمتك لجميع أموات المسلمين والمسلمات برحمتك يا أرحم الراحمين۔اللّٰهم آمين

---

(۱) صحیح بخاری ۵۴۰۱

تیسرا باب

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا زمانۂ تعلیم

جامعہ اسلامیہ کا قیام:

آپ دو سال کے بھی نہیں تھے کہ بھٹکل میں عظیم تعلیمی انقلاب آیا، اور دار العلوم بھٹکل کا تخیل وہاں کے اصحاب فکر واصحاب قلب ونظر نے پیش کیا تھا، ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۰؍اگست ۱۹۶۲ء بروز دوشنبہ اس کو عمل میں لایا گیا اور جامعہ اسلامیہ کے نام سے خالص دینی مدرسہ کا آغاز ایک استاد مولانا عبد الحمید ندوی اور ایک طالب علم عبد اللہ کوبٹے سے ہوا، پھر دھیرے دھیرے تعداد بڑھنی شروع ہوئی، لیکن ذمہ داران جامعہ کو جو توقع تھی اور مولانا عبد الحمید ندوی کی جو فکر وکوشش تھی اس کے مطابق تعداد کم تھی بلکہ مایوس کن تھی، شہر بھٹکل میں ایک چھوٹی جگہ پر قائم اس مدرسہ کے لئے کشش کا ایک دوسرا سامان یہ اختیار کیا گیا کہ انجمن اسکول کے بڑے درجات کے طلبا کو درس قرآن کے لئے دینی تعلیم کی طرف راغب کیا جائے، یہ فکر بڑی کارگر ہوئی، اور سمجھ دار طلبہ جوق در جوق آنے لگے۔

جامعہ کی چند ممتاز شخصیات:

انہیں میں ایک وہ طالب علم تھے جو جامعہ کے لائق فخر فاضل اور علاقہ کی بڑی مقتدر شخصیت بننے والے تھے، مولانا محمد اقبال ملا ندوی جنہوں نے اسکول واپس جانے سے انکار کیا، اور ہر صورت جامعہ اسلامیہ میں پڑھنے کی ٹھان لی، یہ اور ان کے ساتھی مولانا محمد غزالی ندوی اور مولانا محمد صادق اکرمی ندوی جامعہ کی وہ پہلی جماعت ہے جو جامعہ میں قائم

درجات کی تکمیل کرکے دارالعلوم ندوۃ العلماء مزید حصول تعلیم وتکمیل عالمیت کے لئے گئی۔

مولانا محمد غزالی بن مولانا قاضی ابوبکر خطیبی نے دعوت وتبلیغ کی راہ اختیار کی، اور نظام الدین مرکز کے لئے اس کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی سرپرستی میں اپنے کو وقف کردیا اور انہیں کے مشورہ واجازت سے بھٹکل کا قیام اور دوسرے ملکوں کا سفر اختیار کرتے تھے اور اب بھی اسی نظام کے تابع ہیں۔ أطَالَ اللّٰهُ بقاءَه لِإعلاءِ كلمته۔

مولانا محمد صادق اکرمی ندوی نے بھٹکل میں ہی رہ کر عوام میں دین کی نسبت تعلق مع اللہ کو بڑھانے اور اصلاح سماج کے کام کو اختیار کیا، اور جامعہ کے سرپرستان میں ایک سرپرست محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق حقی سے اصلاحی تعلق اور روحانی سرپرستی حاصل کی، اس وقت بھٹکل کی ایک مقتدر ومقتدا شخصیت کے طور پر معروف ہیں۔ حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ جو حضرت مولانا ابرارالحق صاحب حقی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ ہیں، مولانا موصوف کو ان سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔ دامت برکاته وعمت فیوضه۔(۱)

مولانا محمد اقبال ملاّ ندوی نے بھی بھٹکل کا ہی قیام اختیار کیا، اور اصلاح ودعوت کے کام کے ذریعہ اصلاح سماج وقوم کا طریقہ عمل اختیار کیا، اس وقت قاضی شہر بھٹکل اور جامعہ اسلامیہ کے نائب صدر ہیں۔ ادام الله ظله وبارك في حياته۔(۲)

ان کے بعد مولانا محمد ایوب برماور ندوی جامعہ اسلامیہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء پہنچے اور محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق حقی سے ہردوئی جاکر اصلاحی تعلق قائم کیا، بعد میں انہیں حضرت کے خلفاء مولانا بشارت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالرؤف صاحب مدظلہ سے اجازت وخلافت حاصل ہے، اور انشاء مساجد ومکاتب کے ذریعہ دعوت واصلاح اور تعلیم وتربیت کا کام ایسے وسیع انداز میں انجام دیا کہ ان کے کام نے پورے ہندوستان کا احاطہ کرلیا، حالانکہ وہ جامعہ اسلامیہ میں ایک بہترین معلم ومربی کے طور پر

---

(۱) انہیں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا۔

(۲) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے مجاز بیعت وارشاد ہیں۔

مقبول ومحبوب شخصیت تھے، مگر وہ اپنی مشغولیات کم نہ کر سکے اور پھر جامعہ سے علیٰحدگی اختیار کرلی۔تقبل اللہ حسناتہ و خدماتہ۔

ان کے بعد مولانا عبدالعزیز خلیفہ بھٹکلی ندوی، مولانا عبدالحمید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی شاگردی اختیار کر کے جامعہ میں زیر تعلیم رہے، ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء آگئے تھے جہاں انہوں نے ۱۹۷۷ء میں فضیلت کی تکمیل کی اور پھر جنوری ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد ہوئے اور حدیث وتفسیر کی کتابیں عالمیت کے درجوں میں پڑھا رہے ہیں اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہیں، زاد اللہ مکارمہ و مآثرہ۔

یہ سب حضرات مولانا عبدالباری ندوی سے بہت پہلے جامعہ اور ندوہ سے مستفید ہونے کی وجہ سے ان کے اساتذہ کی صف کے علماء میں شمار ہوں گے۔

مولانا عبدالباری مرحوم کے زمانۂ تعلیم میں جامعہ نے بتدریج ترقی کی:

۱۹۷۳ء میں پنجم عربی (عالیہ اولیٰ) کا افتتاح ہوا۔

۱۹۷۵ء میں یعنی دوسال بعد ششم عربی (عالیہ ثانیہ) کا افتتاح ہوا۔

۱۹۷۶ء میں یعنی اگلے سال ہفتم عربی (عالیہ ثالثہ) کا افتتاح ہوا۔

۱۹۷۷ء رشوال ۱۳۹۷ھ میں درجہ ہشتم عربی (عالیہ رابعہ) کا اضافہ ہوا، اور جامعہ سے تین طلبہ نے تکمیل عالمیت پہلی بار کی، اور یہ تینوں ایسے مبارک ثابت ہوئے کہ اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کردیں، مولانا عبدالعظیم قاضیا ندوی نائب قاضی شہر بھٹکل وسابق استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے دارالعلوم ندوہ سے فضیلت کی اور خاموش دینی عملی زندگی سے نفع پہنچارہے ہیں، مولانا مفتی حفظ الرحمٰن رکن الدین نواب قاسمی نے دیوبند جاکر دورۂ حدیث اور پھر افتاء کیا، اور دعوت وتبلیغ کے مبارک کام سے جڑ کر اپنے کو وقف کردیا، اور ملازمت کے بجائے تجارت کو اختیار کیا، اور مولانا محمد ناصر اکرمی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل وبانی معہد حسن البناء شہید بھٹکل نے تدریسی زندگی کے ساتھ دعوتی مشاغل کو بھی اختیار کیا۔

ان سے پہلے جامعہ اسلامیہ میں کچھ تعلیم حاصل کرنے اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی کچھ وقت گزارنے اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرنے والی ایک اہم شخصیت کا نام بھی قابل ذکر ہے، جن کی خدمات جامعہ اسلامیہ کو حاصل ہوئیں، مولانا محمد شفیع ملیا قاسمی (۱) یہ بھی مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی تعلیم، رفقاء، اساتذہ اور معاصرین:

مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کہتے ہیں کہ:

ہم لوگ پنجم مکتب کے درجہ میں جامعہ آباد میں داخل ہوئے تو مولانا ہم سے پانچ سال آگے پنجم عربی میں تھے، پھر جب وہ ہفتم عربی کے درجہ میں پہنچے تو ششماہی کے بعد جامعہ اسلامیہ کی مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق اپنے ساتھیوں کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، وہاں امتحان سالانہ کے بعد پھر مجلس شوریٰ کے فیصلہ سے اپنا آخری درجہ ہشتم عربی جامعہ اسلامیہ ہی میں مکمل کیا، پھر دو سال کے لئے ندوہ میں فضیلت کی تعلیم کے لئے چلے گئے۔(۱)

ان کے جامعہ میں اور پھر ندوہ کے رفیق درس مولانا عبدالصمد قاضی ندوی (مرڈیشور) نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجہ ہفتم عربی (عالیہ ثالثہ شریعۃ) کی تعلیم کے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ:

''درجہ سوم عربی میں دس ساتھی تھے، درجہ ششم عربی میں پہنچ کر یہ تعداد صرف چار بشمول مولوی عبدالقادر جیلانی صاحب شاہ بندری ندوی میں محدود ہو کر رہ گئی، پھر چاروں ساتھی درجہ ہفتم عربی تک ساتھ رہے پھر مولانا محمد حسن گیما صاحب اپنے والد کی وفات کی وجہ سے ہم سے ایک سال کے لئے الگ ہو گئے، پھر ہم تینوں کا منتظمین جامعہ کے مشورے

---

(۱) فرزند اکبر حضرت ڈاکٹر علی ملیا صاحب مدظلہ صدر جامعہ اسلامیہ بھٹکل

(۲) نقوش طیبات نمبر ص: ۸۳

وحکم سے سالانہ امتحان کے لئے تین ماہ قبل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جانا ہوا، وہاں پر تین ماہ تک سالانہ امتحان کی مکمل تیاری کے بعد الحمد للہ ہمیں کامیابی حاصل ہوئی۔ پھر وطن واپسی کے بعد درجہ عالمیت کی تعلیم کے لئے، دار العلوم ندوۃ العلماء جانے کے بجائے جامعہ کے منتظمین کے مشورے سے ہی ہمیں ہشتم عربی کی تعلیم جامعہ ہی میں حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا، یہ خصوصیت صرف ہمارے درجہ کو حاصل رہی، پورا سال جامعہ میں گزار کر جب سالانہ امتحان کا وقت ہوا تو سوالیہ پرچے دار العلوم ندوۃ العلماء سے بھیجے گئے، اس وقت محترم ڈاکٹر ملپا علی صاحب بانیٔ جامعہ (۱) اپنی نگرانی میں پرچہ جامعہ لاتے، پھر امتحان ہونے کے بعد ہماری جوابی کاپیاں جانچ کے لئے اہتمام سے لکھنؤ روانہ کرتے۔

الحمد للہ اس امتحان میں اچھے نمبرات سے کامیابی حاصل ہوئی، پھر ہم سب درجہ فضیلت کے قابل ہوگئے، ان سات سالوں میں مولانا مرحوم کے ساتھ ہمارے تعلقات بلکہ جامعہ کے سبھی طلبہ کے ساتھ بہت ہی اچھے رہے۔

حضرت مولانا شہباز صاحب اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کا دور اہتمام، مولانا کی بہترین تربیت، دینی وروحانی ماحول، ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ گھر جانا، پھر سنیچر کی صبح وقت پر گھر سے واپسی، روزآنہ بلا ناغہ اسباق کا اعادہ، اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملاقات، مولانا اقبال صاحب ملاّ ندوی، مولانا صادق صاحب اکرمی ندوی، مولانا شہباز صاحب اصلاحی اور مولانا رمضان صاحب ندوی کی نگرانی وسرپرستی میں مذاکرہ، پھر امتحان تک چاہے سہ ماہی ہو یا ششماہی یا سالانہ شروع کتاب سے آخر کتاب تک ایک مرتبہ اعادہ وتکرار مولانا مرحوم کا خاص وصف ومعمول تھا، جب بھی جامعہ میں کوئی بحرانی کیفیت پیدا ہوئی تو مولانا مرحوم نے اپنے رفقاء کے ساتھ حق کا ساتھ دیا، اور اپنے محترم اساتذہ کرام کا بھرپور دفاع کیا، کبھی کسی بھی استاذ کو اپنی ذات سے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ (نقوش طیبات نمبر ۶۲-۶۴)

---

(۱) حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ خلیفہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقی نور اللہ مرقدہ مراد ہیں۔

مولانا کے استاذوں میں ایک اہم استاذ مولانا محمد شفیع ملپا قاسمی صاحب بھی تھے، انہوں نے تجوید وقرأت کے سلسلہ میں مولانا پر جو محنت کی اس کو مولانا کے ایک سینئر ساتھی سید زبیر مارکیٹ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''جامعہ میں آپ کی تجوید کی درستگی کے لئے مولانا محمد شفیع صاحب ملپا قاسمی نے خصوصی توجہ دی۔'' (نقوش طیبات نمبر ص:۷۳)

جامعہ میں تعلیم کے ساتھ تبلیغ کی فکر کے متعلق ان کے یہی ساتھی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مرحوم جامعہ میں مجھ سے ایک کلاس جونیئر تھے، آپ چار ساتھی تھے، مولانا محمد حسین جامعی مرڈیشور، مولانا جیلانی شاہ بندری مراکشی، مولانا مرحوم کو خطابت کا جوہر ورثہ میں ملا تھا، طالب علمی کے زمانہ میں مولانا صادق اکرمی ندوی، مولانا محمد اقبال ندوی، ماسٹر سعید صاحب، ماسٹر سلیم وغیرہ کے ہمراہ ہم کچھ طلبا تین دن کی تبلیغی جماعت میں نکلے تھے، کنداپور کے پاس بسرور کی مسجد میں مولانا عبدالباری کا خطاب رکھا گیا، اسے سب نے تحسین کی نظر سے دیکھا، ماسٹر سلیم صاحب مرحوم کافی متاثر ہوئے اور انہوں نے آئندہ کے لئے پیشین گوئی بھی فرمائی،......''۔ (بحوالہ سابق ص:۷۲)

مولانا محمد زکریا برماور ندوی جو آپ کے رفیق تدریس بھی رہے جامعہ اور ندوہ میں آپ سے ایک سال پیچھے، اور تجوید وقراءت میں مولانا محمد شفیع ملپا قاسمی کے یہاں رفیق تھے۔

مولانا عبدالرب خطیبی ندوی اور مولانا طلحہ رکن الدین ندوی جامعہ میں آپ سے دو سال پیچھے تھے اور ان دونوں کو بھی جامعہ میں آپ کی رفاقت تدریس حاصل رہی، مولانا عبدالرب خطیبی ندوی نے آپ کے قرآن مجید سے بچپن سے شغف کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

''حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے ساتھ تعلقات بچپن ہی سے تھے، ہم دونوں جامع مسجد کے سامنے اڑوس پڑوس میں رہا کرتے تھے، اکثر وہ قراء حضرات کے کیسٹ سنا کرتے، اور قراءت کی مشق کرتے''۔ (بحوالہ سابق ص:۷۴)

ورزش وکھیل کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''اکثر ساتھ میں کھیلا کرتے، کبھی کبڈی، کبھی کترائی (کھیل کا نام) اورزیادہ تر والی بال''۔ (بحوالۂ سابق ص:۷۴)

جامعہ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''وہاں کی باغبانی میں بھی حصہ لیا کرتے، اس وقت جناب عبدالرحیم خطیبی اور دیگر کچھ بڑے طلبہ ذمہ دار کی حیثیت سے جامعہ کی خدمت کرتے، اور ہم لوگ ان کے معاون بنے رہتے، عصر بعد کھیل میں حصہ لیتے اس وقت اکثر کبڈی، والی بال، کترانی، چر چندی (کھیل کا نام) کھیلا کرتے، پھر مغرب سے پندرہ منٹ قبل گھنٹی بجتی اور طلبہ ہاتھ پیر دھوکر مسجد کا رخ کرتے، مولانا کی دلچسپی زیادہ تر کبڈی اور والی بال میں تھی، جلسوں میں مولانا اکثر عربی نعتیں پڑھا کرتے، اللہ نے آپ کو حسن صوت سے بھی نوازا تھا، قرأت اور اذان کے مقابلوں میں مختلف جگہوں میں جا کر اچھی پوزیشن میں کامیاب ہوکر مدرسے کا نام روشن کرتے۔ (بحوالہ سابق ص:۷۴)

مولانا محمد شعیب صاحب ندوی سکریٹری جماعت المسلمین بھٹکل واستاد جامعہ اسلامیہ آپ سے تین سال پیچھے تھے، اس طرح جامعہ میں تعلیمی معاصر تھے، بعد میں رفیق تدریس ہوئے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میری رفاقت بڑی گہری ہے تعلیمی وتدریسی دونوں مدت ملا کر اگر دیکھی جائے تو تقریباً ۳۵ سال ہے، مولانا مرحوم تعلیم میں مجھ سے تین سال آگے رہے، مگر پڑھنے کے زمانہ سے ہی بڑی بے تکلفی اور انسیت رہی، اور بچپن میں دونوں ایک ہی محلہ میں بھی رہے اور پھر رشتہ داری بھی رہی''۔ (بحوالہ سابق ص:۷۶)

جامعہ میں مولانا کے استاد حدیث استاد گرامی مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری دام ظلہ لکھتے ہیں:

''مرحوم سے میرا تعلق اس وقت سے تھا جب وہ عالمیت کے سال دوم میں تھے،

میں نے ان کو مشکوٰۃ المصابیح سے لے کر بخاری شریف تک کی متعدد کتابیں پڑھائیں وہ بڑے محنتی اور ذہین طالبعلم تھے، درجہ کی حاضری اور اسباق کے پابند تھے، دوران طالب علمی ہی سے نیکی، دل کی صفائی اور نجابت وشرافت کے آثار ہویدا تھے، اپنی وفا شعاری اور اطاعت گزاری کی وجہ سے عام اساتذہ میں مقبول ومحبوب تھے"۔ (نقوش طیبات نمبر ص: ۵۷)

ان کے دوسرے استاد مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی دام مجدہ سکریٹری جمعیۃ السنۃ الخیریہ بھٹکل کہتے ہیں:

"مولانا عبدالباری ندوی کی وفات سے پورا بھٹکل ہی نہیں بلکہ اطراف کا پورا علاقہ اور نوائط برادری یتیم ہوگئی، مولانا موصوف جن گوناگوں صفات کے حامل تھے آج کے دور میں ان تمام صفات کا جمع ہونا تقریباً محال ہے، بندہ کو ان کی خدمت کا موقع ملا، بندہ نے موصوف کو عربی دوم سے عربی ہشتم یعنی عالمیت کے آخری سال تک پڑھایا۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۱ء تک بندہ نے موصوف کو زمانۂ طالبعلمی میں نہایت نیک سیرت اور ہونہار پایا۔ بندہ جامعہ کا استاد تھا اور موصوف جامعہ کے مہتمم تھے، لیکن خود مہتمم ہونے کے باوجود بندہ کی غلطیوں کے باوجود نہایت ادب واحترام سے پیش آتے مہتمم ہونے کے بعد کسی مجلس میں بندہ کے ساتھ بیٹھے تھے، بندہ اٹھا اور اپنے ہاتھ پانی لے کر پینے لگا، انہوں نے دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ آپ نے خود پانی کیوں لیا، مجھ سے کیوں نہیں کہا؟

جامعہ چھوڑنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے بیٹے محمد(۱) کی فیس جمع کرنے کے لئے جامعہ پہنچا، مجھے اچانک دیکھ کر میرا استقبال کیا اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا میں فیس جمع کرنے آیا ہوں، موصوف نے مجھ سے پیسے لئے اور کہا فیس میں جمع کرتا ہوں آپ درجہ میں بیٹھ کر طلبہ کو پڑھائیں۔ بندہ جب بھی جامعہ پہنچتا اکثر عصر کے بعد بندہ کو طلبہ سے خطاب کرنے کا موقع دیتے تھے، جامعہ میں اکثر بھٹکل کے طلبہ رہتے تھے، باہر کے طلبہ کم

---

(۱) مولوی محمد برماور متعلم فضیت دوم دارالعلوم ندوۃ العلماء

ہی ہوتے لیکن موصوف نے بیرونی طلبہ کا بہت زیادہ خیال رکھا اور انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا، ہم کو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مغفرت کرے گا اور اعلیٰ علیین میں ضرور جگہ دے گا''۔ (تعزیتی بیان)

جامعہ کے ان کے اساتذہ میں ایک اہم اور بڑے استاد مولانا محمد صادق اکرمی ندوی مدظلہ جس اہم بات اور نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے اس میں دوسروں کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے، وہ ہے تعلق مع اللہ اور یہ کہ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ، جو اللہ کا ہوجاتا ہے، اللہ اس کا ہوجاتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مولانا اپنی تعلیمی زندگی میں درجہ میں بہت زیادہ فائق نہیں تھے، انہوں نے ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا وہ منظر ہمارے سامنے ہے، ان سے زیادہ ذی استعداد ہمارے سامنے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا کو جو منتخب کیا وہ اللہ کی توفیق تھی، ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ موفق من اللہ تھے، اللہ نے ذی استعداد اور ممتاز لوگوں کے درمیان مولانا کو منتخب کیا اور چمکایا''۔ (تعزیتی خطاب بھٹکل)

مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے اساتذہ میں ایک ماسٹر عبدالرحمٰن خاں صاحب کا نام بھی خصوصیت سے لیا جاتا ہے، وہ بھی دیگر اساتذہ کی طرح مولانا کے قدرداں تھے، مولانا قاضی محمد فاروق صاحب ندوی بھٹکلی قدیم ندوی فضلاء میں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاد، جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے سابق مہتمم ہیں، وہ بھی مولانا عبدالباری ندوی صاحب کی صفات وخصوصیات کے ہمیشہ سے معترف رہے، اور مولانا کا قاضی صاحب سے نیازمندانہ تعلق رہا، ان کے تعلیمی اور پھر انتظامی معاملات میں قاضی صاحب اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

سینئر رفقاء میں مولانا عبدالمتین منیری صاحب کا نام لیا جاسکتا ہے، جو جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں استاد بھی رہے ہیں اور دبئی میں مقیم ہیں لیکن ان کا شروع سے جامعہ اسلامیہ سے

جو تعلق رہا ہے اس کی مولانا عبدالباری صاحب کو ہمیشہ بڑی قدر رہی اور ان کی صلاحیتوں سے ان کے جامعہ سے باہر رہتے ہوئے بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھایا، جامعہ کے کتب خانہ کو جدید انداز سے ترقی دینے میں ان کے مشوروں سے جہاں فائدہ اٹھایا گیا وہیں بھٹکلیس ڈاٹ کام کے ذریعہ انہوں نے برصغیر کے ممتاز مصلحین، خطباء، شعراء، اور اہل علم وفضل کے پیغام وفکر کو عام کرنے میں جو مؤثر طریقہ اختیار کیا، اس میں جامعہ، مولانا منیری اور مولانا عبدالباری سبھی ایک دوسرے کے تعاون سے جامعہ کے کتب خانہ کو جو ترقی مولانا کے زمانۂ اہتمام میں ملی اس میں ان کے سینئر رفیق مولانا ناصر الاسلام ندوی ناظر کتب خانۂ جامعہ اور اسی طرح شعبۂ تحفیظ القرآن نے حیرت انگیز طور پر جو ترقی کی اس کے ذمہ دار جناب حافظ کبیر الدین صاحب دام مجدہ (جواب اپنی علالت کی وجہ سے اس خدمت پر مامور نہیں ہیں لیکن آمدورفت رکھتے ہیں) وہ بھی مولانا مرحوم کے تعاون وفکر مندی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

جامعہ کے زمانۂ تعلیم کی دوسری خصوصیات:

مولانا عبدالباری ندوی کو دینی تعلیم سے لگاؤ اور تعلق بدو شعور سے ہی تھا، اور وہ اچھے انداز اور لہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور عربی جملوں کی ادائیگی، خطبہ کے انداز، احادیث سے تکلم سے ان کا یہ شوق اور جذبہ ظاہر ہوتا کہ وہ آگے چل کر علم اور دین کی خدمت میں اپنی عمر گزاریں گے، عمر کم تھی، شوق زیادہ تھا، امنگیں بہت تھیں، جھجھک کم تھی، بہت دفعہ ایسا ہوا کہ جلسوں اور پروگراموں میں تلاوت قرآن مجید کے لئے وہ اپنے بڑوں اور استادوں کے ساتھ جانے لگے تھے۔

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے ان کے زمانۂ طالبعلمی میں استاد گرامی مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی دام ظلہ حال استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں استاد بھی ہو گئے تھے، اور مولانا عبدالباری ندوی نے ان سے بہت کچھ سیکھا، خطابت کا جوہر جو ان میں فطری انداز سے تھا ان کے ان لسان العصر استاد کے ذریعہ اور کھلا، انہوں نے ایک جلسہ کا

ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے جو شیخ ابراہیم یوسف مطاوع مصری کے سفر بھٹکل کے موقع پر ان کے اعزاز میں مارچ ۱۹۷۸ء کے آخری عشرہ میں ہوا تھا۔ (۱)

وہ لکھتے ہیں:

''عشاء بعد ۹ بجے شب میں شہر کی جامع کے سامنے ایک عام جلسہ ہونے والا تھا، نماز سے فارغ ہو کر ہم سیدھے جلسہ گاہ پہنچے، تنظیم کی عمارت کے سامنے کار رکی، تنظیم بھٹکل کا سب سے پرانا ادارہ ہے، رفاہی سوسائٹی کے طور پر یہ ادارہ کام کرتا ہے، اس کے تحت ایک پبلک لائبریری بھی ہے، لائبریری کا معائنہ کرنے کے بعد جلسہ گاہ پہنچے، لوگوں کا ازدحام تھا، جلسہ کی کاروائی جامعہ اسلامیہ کے طالب علم عبدالباری فکردے کی تلاوت سے شروع ہوئی، اناؤنسنگ کی ذمہ داری راقم الحروف نے انجام دی۔ (۲)

استاذ گرامی مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری مدظلہ جو اس وقت جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے استاذ ہو گئے تھے، اور مولانا عبدالباری فکردے ان کے شاگرد تھے وہ جامعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں:

''جامعہ اسلامیہ کا قیام آج سے پندرہ سال پہلے ہوا، اس کی حیثیت پہلے ایک مکتب کی تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن رہا، اور مولانا عبدالحمید صاحب ندوی کی سعی پیہم کے نتیجہ میں دو چار برس کے اندر چہارم عربی تک درجات کھل گئے، فی الوقت ششتم تک تعلیم ہو رہی ہے۔''

جامعہ اسلامیہ کے عربی درجات میں تقریباً سو (۱۰۰) طلبہ ہیں، جامعہ کا پورا نصاب دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کا ہے، حفظ کا بھی شعبہ ہے۔ (بحوالہ سابق ص:۸۹)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مولانا عبدالباری فکردے رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں پنجم عربی

---

(۱) شیخ ابراہیم یوسف مطاوع اس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ تھے اور مولانا محمد خالد صاحب غازیپوری ندوی کے بھی استاد رہ چکے تھے۔

(۲) ملاحظہ ہو تعمیر حیات ۱۰/جون ۱۹۷۸ء اور بھٹکل کے سفرنامے ص:۹۱، مرتبہ محمد مستقیم محتشم ندوی)

کے اختتام سال میں ہوں گے، اور پھر ششم عربی کی تکمیل کر کے دار العلوم ندوۃ العلماء گئے، اور ان کے رفیق درس مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ ان کا ندوۃ العلماء میں چار سال گزرا ہے، یہ اسی صورت میں درست ہوگا جب مولانا عبد الباری مرحوم نے عالیت کے دو سال اور فضیلت کے دو سال دار العلوم ندوۃ العلماء میں گزارے اور پھر ۱۹۸۳ء - ۱۴۰۳ھ سے جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے تدریسی طور پر وابستہ ہوگئے۔ ان کے ایک دوسرے ساتھی مولانا محمد خالد کانپوری ندوی (مقیم دبئی) کہتے ہیں کہ عالیہ ثالثہ شریعہ (ہفتم عربی) میں مولانا عبد الباری ندوی کے ہم لوگوں کے ساتھ دار العلوم ندوۃ العلماء میں پڑھا مگر عالمیت کا آخری سال جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں پڑھا اور پھر واپس آکر دار العلوم ندوۃ العلماء فضیلت میں داخلہ لیا اور دو سال گزارے۔

جامعہ میں مولانا عبد الباری کا آخری تعلیمی سال

اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا سفر بھٹکل اور جامعہ میں خطاب:

تعمیر حیات شمارہ ۲۵/فروری ۱۹۸۱ء میں مولانا محمود الازہار ندوی مرحوم نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے اس دورۂ بھٹکل کے تعلق سے جو چار دن کا تھا، جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داروں، اساتذہ اور طلبہ کو خطاب کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''مولانا جامعہ اسلامیہ بھٹکل بھی گئے اور منتظمین مدرسہ، طلبہ، اور طلبہ کے سرپرستوں کی موجودگی میں تقریر کی اور آپ نے اپنی تقریر میں تینوں طبقے کے افراد کو مخاطب کیا، آپ نے سب سے پہلے حلال روزی پر زور دیا، اور فرمایا کہ ''حلال پیسے میں کتنی برکت ہوتی ہے، اور ظاہری طور پر کم مقدار میں ہوتے ہوئے وہ کس طرح برگ و بار لاتی ہے، اور اس سے اولاد بھی متاثر ہوتی ہے، اور اس کے اثرات ان کی زندگی، رہن سہن، طور و طریقہ اور تعلیم سب پر پڑتے ہیں۔''

آپ نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اساتذہ کا اکرام تعلیمی نقطۂ نظر سے

بہت اہم ہے اوراس کے بغیر حصول علم دین ہی نہیں بلکہ کوئی بھی علم حاصل کرنا ناممکن ہے، اور مستقبل کی زندگی اسی پر منحصر ہے، آپ نے اپنی تقریر میں منتظمین اور اساتذہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ حضرات مدرسہ جامعہ میں ایسی فضا پیدا کریں کہ ایک نمونہ کا مدرسہ بن جائے اوراساتذہ کو یکسوئی حاصل ہواور وہ محنت ولگن سے پڑھا سکیں اور تعلیم پر ان کی توجہ مرکوز رہ سکے، اس سے طلبہ کو بھی فائدہ پہونچے گا اور مدرسے کو بھی، اور طلبہ اور مدرسے کی ترقی آپ کی ترقی ہے، اور یہ آپ کے لئے باعث فخر ہےاورآپ کواس درجہ تک پہنچائیں کہ بڑے بڑے علمائے عرب اور ماہرین تعلیم اسکوایک مثالی مدرسہ پائیں۔"

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کا یہ سفر دسمبر ۱۹۸۰ء میں ہوا تھا، اور اس میں مختلف پروگراموں میں شرکت کے ساتھ پیام انسانیت کے اہم جلسہ میں انہوں نے خطاب بھی کیا تھا، اور بقول مولانا محمود الازہار ندوی مرحوم مولانا کی بھٹکل آمد نے اس چھوٹی سی تحصیل کو جو زندگی ونشاط دیا ہےاوراس وقفے میں اس قدر مفیداور کام کی باتیں اہل بھٹکل کے گوش گذار ہوئیں کہ اگر وہ اس کو مشعل راہ اور مشغل زندگی بنا سکے تو وہ اپنی بگڑی بنا سنوار سکتے ہیں اور اس کو پار لگا سکتے ہیں۔" (بحوالۂ سابق)

واقعہ یہ کہ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے اپنی صلاح اور سماج کی اصلاح کے لئے ان ہدایات کو حرز جان بنالیا، جس کی مہک سب نے محسوس کی۔

چوتھا باب

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں

ندوہ میں داخلہ اور قیام ایک اجمالی جائزہ:

مولانا عبدالباری اور ان کے بھٹکلی رفقاء نے عالمیت کے سال ہفتم عربی (عالیہ ثالثہ) میں تین یا چار ماہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گذار کر امتحان دیا اور پھر بھٹکل واپس جا کر عالمیت کی تکمیل کی اور امتحان ندوہ کے پرچوں کے مطابق دیا، پھر فضیلت ندوہ آ کر کیا، ان کے جامعہ اور ندوہ کے رفیق مولانا عبدالصمد قاضی ندوی قاضی جماعت المسلمین مرڈیشور رقمطراز ہیں:

"جب ہمارا داخلہ ندوۃ العلماء کے فضیلت اول میں مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی دامت برکاتہم کی نگرانی میں ہوا تو اس وقت ہمارے کل اٹھارہ ساتھی تھے اور یہ ۱۹۸۲ء کا فضیلت کا سب سے بڑا درجہ تھا، اس لئے کہ ہم سے پہلے فضیلت میں صرف پانچ یا چھ طلبہ ہوا کرتے تھے، ندوہ پہنچنے کے بعد مولانا مرحوم کا میرے ساتھ اور اپنے تمام رفقائے درس کے ساتھ مخلصانہ دوستانہ تعلق رہا، اساتذہ کا احترام وقت کی پابندی، کتابوں کا مطالعہ اور مذاکرہ جیسے جامعہ میں تھا اس سے بڑھ کر ہی یہاں رہا، خصوصاً بخاری شریف کے درس کی پابندی، مولانا ضیاء الحسن علیہ الرحمہ کے درس کا من وعن لکھنا مولانا مرحوم کا خاص وصف تھا، کبھی مجھ سے کوئی جملہ چھوٹ جاتا تو بعد میں مولانا کی کاپی سے نقل کر لیتا۔

اس مدت میں محترم جناب محی الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ جو میرے بھی خاص مہربان

مشفق تھے بحیثیت رکن شوری ندوۃ العلماء لکھنؤ آیا کرتے تھے، تو ہم بھٹکلی طلبہ سے مل کر بہت خوش ہوئے، اور ہمیں نصیحت بھی کرتے، اس وقت ندوہ میں بھٹکلی طلبہ کی تعداد صرف ۱۵-۲۰ ہوا کرتی تھی، ہمارا آخری سال تھا، منیری صاحب پر جوش انداز میں مولانا عبدالباری صاحب سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ مولوی عبدالباری! تم پڑھ لکھ کر عالم وفاضل ہو، میں تم کو جامع مسجد بھٹکل میں خطیب کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

محترم منیری صاحب کی جو آرزو تھی ان کی زندگی ہی میں پوری ہوئی مولانا مرحوم جامع مسجد کے خطیب کیا پورے بھٹکل کے خطیب ومصلح کہلائے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آخری سال کل بخاری شریف کا پرچہ ہے، ہزاروں صفحات دیکھنے اور پڑھنے ہیں، عبدالباری صاحب اچانک کہتے ہیں: عبدالصمد! میں کئی دنوں سے ایک خواب دیکھ رہا ہوں کہ ''میں ہوا میں معلق اڑ رہا ہوں اور اوپر چڑھتا جارہا ہوں سہارا لینے کے لئے کوئی چیز نہیں مل رہی ہے اور ڈر بھی لگ رہا ہے، میں نے کہا فکر نہ کیجئے اچھا خواب ہے، ترقی ہوگی، پریشان نہ رہو۔

مولانا مرحوم کبھی کبھی انجمن اصلاح کے جلسہ میں قرآن کی تلاوت کرتے مگر ہم نے کبھی مولانا کو تقریر کرتے نہیں سنا، اس لئے کہ مولانا مجلس کے آدمی نہیں تھے، یہ کوئی غلط بیانی نہیں ہے، قصہ مختصر جب مولانا فارغ ہوئے اور گھر واپس ہوئے تو بھٹکل کی زینت بن کر رہ گئے، اپنی پوری زندگی بھٹکل اور جامعہ کے لئے وقف کر دی جس سے جامعہ کو ظاہری وباطنی دونوں اعتبار سے بڑی ترقی اور شہرت ملی، مگر یہ ستارہ ۷ار فروری ۲۰۱۶ء مطابق ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ بروز بدھ بوقت عصر غروب ہوا، ان سے قبل میرے دو اور رفیق مولانا اسحاق حسینی اور مولانا نیاز احمد بستوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاعْفُ عَنْھُمْ وعَافِھِمْ واَکْرِمْ نُزُلَھُمْ واَدْخِلْھُم الْجَنَّۃَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ (نقوش طیبات ص:۶۴-۶۵)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی ورہنمائی میں:

ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ (مطابق جولائی ۱۹۸۱ء) میں مولانا عبدالباری ندوی مرحوم

نے عالمیت کا امتحان دیا اور کامیاب قرار پائے یقیناً اچھے نمبرات حاصل کیئے ہوں گے، ماہ شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ میں وہ بھٹکل سے لکھنؤ فضیلت کی تعلیم کے لئے آئے، نئے تعلیمی سال کے آغاز میں اسباق کے افتتاح سے پہلے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے طلبہ جدید وقدیم کو جن نصیحتوں سے اپنے ایک خطاب میں نوازا اس میں یہ احساس دلایا کہ اب وہ اپنے اس عزم کی تجدید کریں کہ کس مقصد کے لئے آئے ہیں، حضرت مولانا کی یہ تقریر اس وقت کے طالب علم اور راقم کے استاذ مولانا شاہ ابو دجانہ تسنیم عثمانی صاحب نے ٹیپ سے نقل کر کے ''تعمیر حیات'' کے ذریعہ نذر عام کی تھی جو اس کے شمارہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۸۱ء میں خطاب مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کے حوالہ سے شائع ہوئی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا خطاب:

حضرت مولاناؒ نے اس میں نئے طلبہ کو خصوصیت سے خطاب کرتے ہوئے کہا اور ان نئے طلبہ میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے فارغین بھی تھے، جن میں مولانا عبدالباری ندوی کو بھٹکل میں جا کر ابر کرم بن کر چھانا تھا، فرمایا:

''میرے عزیزو! معلوم نہیں اس وقت کتنے لوگوں کی نئی عمریں شروع ہو رہی ہیں، آپ میں سے بڑی تعداد تو نئی ہوگی، پرانے طالب علم کم آئے ہیں، لیکن ایک تعداد ان طلبہ کی ہوگی جو دو سال، تین سال، چار، اور بعض چھ چھ سات سات سال سے پڑھ رہے ہیں، لیکن بڑی تعداد غالباً ان کی ہے جو اس سال آئے ہیں، اور ابھی کسی کو آئے دو دن ہوئے ہیں، کسی کو چار دن ہوئے ہیں، زیادہ تر وہی میرے مخاطب ہیں کہ تمہاری عمر اب شروع ہو رہی ہے، اور کاتب تقدیر تمہارے متعلق لکھنے والا ہے، اور تمہارے فیصلے کا منتظر ہے، تمہاری قسمت کو دیکھ رہا ہے کہ تم نے اپنے بارے میں اگر صحیح فیصلہ کر لیا، اور اللہ نے تمہیں توفیق دی، اور تم کو چاہنے والی ماؤں کی جنہوں نے تم کو رخصت کیا اور تمہارے والدین کی دعائیں اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو گئیں، اگر تمہارے بزرگوں کے نیک اعمال جو کبھی

انہوں نے کئے تھے، ان میں کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لیا، تو پھر تمہاری صحیح عمر آج سے شروع ہو رہی ہے، اور تم اس وقت گویا دنیا میں قدم رکھ رہے ہو، نئی زندگی میں قدم رکھ رہے ہو، اور یہ بات کچھ تمہارے اختیار میں ہے، میں کہتا ہوں ساری دنیا کی سلطنتیں، ساری دنیا کے ادارے، ساری دنیا کے دانشور اور تمہارے سارے خیر خواہ، تم پر جان چھڑکنے والے اگر یہ چاہیں کہ تم کام کے آدمی بن جاؤ، عالم بن جاؤ، اور تم نہ چاہو تو وہ سب ناکام رہیں گے، اور اگر تم چاہو کہ تم کام کے آدمی بنو اور تم یہاں سے کچھ سیکھ کر نکلو، تو اپنے بھی کام آؤ اور دوسروں کے بھی کام آؤ، اور اللہ کے دین کے بھی کام آؤ، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس سے روک نہیں سکتی، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں، یہ پورا کارخانۂ قدرت جو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، پورا عالم، ساری کائنات تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہے، ہوا، پانی، اور ہوا میں اڑنے والے پرندے اور پانی میں تیرنے والی مچھلیاں سب تمہارے لئے دعائیں کریں گی، اور حدیث میں آتا ہے کہ یہ کوئی قیاسی بات نہیں ہے کہ طالب علم کے لئے یا معلم الناس الخیر کے لئے جو لوگوں کو علم کی تعلیم دیتا ہے، نیک بات کی، حق بات کی تعلیم دیتا ہے، مچھلیاں پانی میں اور چڑیاں اپنے گھونسلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے پر بچھاتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو علم حاصل کرنے کے لئے راستہ طے کرتے ہیں، اور گھر سے نکلتے ہیں، تو سارا انحصار تمہارے فیصلہ پر ہے''۔

پھر آگے توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

میرے عزیزو! اس وقت آپ کو دو فیصلوں میں سے ایک فیصلہ کرنا ہے، اور اسی فیصلہ پر سارا انحصار ہے، یہ کہ آپ کو پڑھنا ہے، وقت کو کارآمد بنانا ہے، اور یہاں آنے کو وصول کرنا ہے، اور یہاں سے کام کا آدمی بن کر کے جانا ہے، تب تو پھر ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ تنکا تنکا آپ کی مدد کے لئے دعا کرنے کے لئے تیار ہے، اور سارے انتظامات اسی لئے ہیں، اور پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کھانا خراب ملے، خدانخواستہ صحت خراب ہو، آپ کو کچھ

تکلیف ہو، کوئی بیماری ہو، کوئی چیز بھی آپ کا راستہ روک نہیں سکتی، اور پھر آپ اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت کا دروازہ کھل جائے گا۔

"مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ" (۱)

"کسی آنکھ کی نظر وہاں نہیں پہنچی کسی کان کی وہاں رسائی نہیں ہوئی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال نہیں آیا۔

بالکل جنت کی صفت بیان کی گئی ہے، دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت کے مزے چکھا دیتا ہے، اور جنت کے مزے ان کو اسی دنیا میں آنے لگتے ہیں، کہ عالم کو مسخر کر دیتا ہے۔

"إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا"

(سورہ مریم:۹٦)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل والے بنے اللہ تعالیٰ (اپنے تمام بندوں کے دل میں) ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔

گویا کائنات مسخر ہو جاتی ہے۔ اور آگے فرمایا کہ:

"اگر آپ نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہمیں محنت کرنا ہے، وقت کو ٹھکانے لگانا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اور تھوڑا جبر کر کے اور دل مار کر کچھ محنت کرنی ہے تو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا، اور علوم کے جتنے بانی ہیں، امام رازی، امام غزالی، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی، ایسے حضرات بھی دنیا میں دوبارہ زندہ ہو کر یہاں آجائیں اور آپ کو پڑھانے کے لئے بیٹھ جائیں تو وہ بھی آپ کے پڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اور تم ان سے بھی ایسے ہی بے فیض اٹھو گے جیسے کسی معمولی سے معمولی شخص کے پاس سے.....،

آخر میں حضرت مولانا نے اس پر اپنی بات ختم کی کہ:

---

(۱) صحیح بخاری باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ رقم الحدیث ۳۲۴۴

''مجھ سے اگر کوئی کہے کہ کیا قرآن مجید میں کہیں عربی مدارس کے علماء اور طلباء کے متعلق کوئی ضمانت ہے، اور کوئی پیشین گوئی ہے تو میں کہوں کا ''سورۃ الم سجدۃ'' میں ہے۔

''وَ جَعَلْنَامِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَ كَانُوا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ''۔

(سورہ سجدہ:۲۴)

''اور ہم نے ان میں جب کہ انھوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔''

یہ قرآن مجید میں ہے اور ایک پیغمبر کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے، اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا گیا:

''أَإِنَّكَ لَأَ نتَ يُوْسُف قَالَ أَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا''

(سورہ یوسف:۹۰)

یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے صاف کہہ دیا، اور سورہ یوسف کے قصہ میں آتا ہے اور لوگ یوسف علیہ السلام کا ہی قصہ اسے سمجھتے ہیں، خصوصیت ان ہی کی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل کلیہ ہے جیسے میں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إنه مَن يتّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَايُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ''

(سور یوسف:۹۰)

بس تقویٰ اور صبر تو ایمان ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ تم جو دیکھ رہے ہو کہ تم نے مجھے کہاں ڈالا تھا، میں کہاں پہونچ گیا، تم نے مجھے کنویں میں ڈالا تھا، اور آج میں مصر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوں، تم آتے ہو میرے پاس ہاتھ پھیلاتے ہو، یہ کس بات کا نتیجہ ہے؟

''إنه مَن يتّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَايُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' (سور یوسف:۹۰)

ہم صرف ان کو مقتدی نہیں بلکہ حاکم بنا دیں گے، موتم اور مقتدی نہیں، بلکہ امام بنا دیں گے۔

"وَجَعَلْنَامِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا"

(سورہ سجدہ:۲۴)

صبر کیجئے، جو کھانے کو ملے کھایئے، جو سرد گرم پیش آئے اسے برداشت کیجئے، زبان اور عادت کے اختلاف کو انگیز کیجئے، اور تقویٰ وصبر سے کام لیجئے، اور اللہ سے تعلق پیدا کیجئے، تو یقیناً اہل کمال بن جائیں گے۔" (تعمیر حیات؛ شمارہ: ۱۰ ستمبر ۱۹۸۱ء)

چنانچہ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے حضرت مولانا قدس سرہ کی اس دعوت پر تن من دھن سے لبیک کہتے ہوئے اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کردی، پھر دائیں بائیں آگے پیچھے نہیں دیکھا، اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبہ اور حصول رضائے الٰہی کے مقصد سے تبلیغ دین وترویج علم دین کے کام میں پوری فضا کو معطر ومنور کردیا، جیسے ان کی بیماری اور وفات کے وقت اور بعد میں ہر ایک نے محسوس کیا، اور صبر وتقویٰ سے عبارت زندگی گزارنے پر جو انہیں امامت وپیشوائی حاصل ہوئی، اور عمومی انداز میں محبوبیت ومقبولیت ظاہر ہوئی، وہ سب باتیں گواہی دیتی ہیں کہ انہوں نے اس آواز کو جو اس مرد خدا نے لگائی تھی اپنے سینہ میں اتار لیا تھا۔

اہم واقعات اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیات کی آمد:

جس دور میں مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی اس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں جو سرگرمیاں رہیں اور آپ بھی اپنے علمی ودینی شوق سے ان میں پیش پیش رہے، کچھ اہم پروگراموں کی طرف اشارہ کیا جائے گا کہ کسی شخصیت کی تشکیل میں ان باتوں اور امور کا بھی بڑا حصہ اور ماحول کا بھی حصہ ہوتا ہے جس کا اثر طالب علم کی فکری وعلمی نشو ونما میں گہرا پڑتا ہے۔

سعودی عرب کے سفیر شیخ صالح الصقیر کی آمد اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا خطاب:

سب سے پہلی آمد سعودی عرب کے معالی السفیر برائے ہند شیخ صالح عبداللہ الصقیر

کی آمد اور ان کی تکریم میں جلسہ کا انعقاد ہے، وہ صرف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی زیارت وملاقات تھی جو شوال المکرّم ر اگست میں ہوئی، جب دار العلوم میں طلبہ کی آمد تھی اور تعلیم کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء کی شخصیت سے انہوں نے اپنے جس والہانہ اور عقیدت مندانہ، نیازمندانہ تعلق کا اظہار کیا، وہ جدید طلبہ دار العلوم ندوۃ کی قدر و قیمت میں یقیناً اضافہ اور شکر و حوصلہ کا باعث تھا۔

انہوں نے فرمایا:

''میں یہاں بحیثیت سفیر کے نہیں آیا، یا صاحب المعالی، یا صاحب السعادۃ کی حیثیت سے نہیں آیا، بلکہ میں ایک مسکین وفقیر بندے کی حیثیت سے آیا ہوں، میں صالح عبداللہ الصغیر کے نام سے آیا ہوں، ایک فقیر اور عاجز بندہ کی حیثیت سے آیا ہوں، جس طرح آپ نے یہ کہا کہ ہم فقراء ہیں، ویسے ہی میں بھی ایک فقیر ہوں اور میں یہ کہتا ہوں: ''اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ'' رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی تھی (۱) اور میں بھی یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ مسکینوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما، میں قبل اس کے کہ ہندوستان چھوڑوں آپ کی خدمت میں جلالۃ الملک خالد بن عبدالعزیز اور وہاں کے امراء، ووزراء، علماء، اور طلبہ کا سلام پیش کرتا ہوں اور ان کی دعائیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

پھر ندوۃ العلماء کے متعلق سفیر محترم نے کہا:

''میں نے مختلف معاہد، اور مدارس اور تنظیمیں دیکھیں، ان میں اہم تنظیموں میں، ان اہم اداروں میں سے ندوۃ العلماء کا بھی ادارہ ہے، یہ ادارہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور اس میں عجیب روحانیت ہے، یہاں وہ روحانیت محسوس ہوتی ہے جو کہ مکہ معظّمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس میں محسوس ہوتی ہے۔'' (۲)

اس سے قبل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کو استقبالیہ دیتے ہوئے

---

(۱) سنن بیہقی (کبریٰ) رقم الحدیث ۱۲۹۳۳ (۲) تعمیر حیات: شمارہ ۱۰ ر ستمبر ۱۹۸۱ء ص: ۱۴-۱۵)

طلبہ واساتذہ اور شہر لکھنؤ کے بھی عمائدین کو یہ پیغام دیا تھا کہ:

''ہماری تاریخ اس بات کی گواہ ہے، ہمارا دستور نہیں تھا کہ ہم سفیر کو بلا کر یہاں بٹھائیں، ان کے اعزاز میں اور ان کی شان میں قصیدہ پڑھیں، اور ان کو خراج تحسین ادا کریں، یہ ہمارے بزرگوں، اس ادارے کے بانیوں اور ہمارے اسلاف کرام کا دستور نہیں تھا، ہم غریب ہیں، اور غریب ہی رہنا چاہتے ہیں۔''

پھر ایک لمبی تمہید کے بعد استقبال کیا اور کہا کہ:

''حضرات! یہ واقعہ ہے کہ یہ صرف سفیر نہیں ہیں، بلکہ میں ذاتی طور پر آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک اچھے دوست ہیں، وہ میرے لئے ایک اچھے دوست رہے اور اس چار پانچ برس میں اس کو نبھایا، اور ہر مرتبہ اس کا ثبوت دیا اور اب یہ اس ملک سے رخصت ہو رہے ہیں، تو ہم جلسہ کر رہے ہیں، اس میں ہمارا جذبہ بالکل صاف اور ہر شبہ سے بالاتر ہے۔''(۱)

تیسرا خطاب:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے طلبۂ دار العلوم کو عمومی خطاب کے علاوہ ایک اہم خصوصی خطاب طلبۂ دار العلوم کو المعہد العالی للدعوة والفکر الاسلامی کے قاعۃ المحاضرات میں دراسات عالیہ وعلیا کے طلبہ کے سامنے دیا، اس خطاب کو بھی مولانا شاہ ابو دجانہ تسنیم ندوی صاحب نے تعمیر حیات کے لئے قلمبند کیا تھا جو اس کی اشاعت ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۱ء میں دیکھا جا سکتا ہے، اس میں خاص توجہ اس بات کی طرف دلائی تھی کہ مدارس عربیہ کا بہت بڑا سرمایہ اور اس کی بڑی طاقت اپنی درسگاہ پر فخر وناز ہے، اور جدید طلبہ کو خاص طور پر یہ باور کرایا کہ آپ یہاں آئے ہیں یہ اتفاقی بات نہیں ہے ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی آخری سفر حج سے واپسی اور اظہار تأثرات:

رابطۂ عالم اسلامی کی دعوت پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے مرافق مولانا

---

(۱) بحوالۂ سابق

سید سلمان حسینی ندوی کے ساتھ ۳۱/ اگست ۱۹۸۱ء کو مدینہ منورہ میں الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ کے جلسہ میں اور مکہ مکرمہ رابطۂ عالم اسلامی کے جلسہ میں شرکت کیلئے گئے اور حج کی ادائیگی کے بعد لکھنؤ واپس آئے تو اساتذہ وطلبہ کی خواہش پر ۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ - ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو مشاہدات واحسات پیش کئے اور اس ضرورت کا اظہار کیا کہ عوام کے حلقہ میں دینی جدوجہد اور خواص کے حلقہ میں حقیقت دین کی تفہیم کا کام کیا جائے اور بہت ہی لطیف وبلیغ انداز میں طلبہ کی اعلیٰ اخلاق اور اسوۂ نبوی پر اپنے کو تیار کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ:

''ہر زمانہ کی کچھ بیماریاں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے دین کا کام لیتا ہے اور جو ''نفوس زکیہ'' کہلاتے ہیں ان کے اندر اللہ تعالیٰ ان بیماریوں کے دور کرنے یا اس سے مقابلہ کرنے کا ایسا قوی داعیہ پیدا کر دیتا ہے جس کو وہ دبا نہیں سکتے۔''

(تعمیر حیات: شمارہ ۲۵ / نومبر ۱۹۸۱ء)

تحفیظ القرآن الکریم کی عمارت کا افتتاح اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا خطاب:

ماہ ستمبر ۱۹۸۱ء میں احاطۂ دار العلوم ندوۃ العلماء میں طلبۂ حفظ قرآن کریم کے لئے خاص عمارت معہد تحفیظ القرآن الکریم کا افتتاح عمل میں آیا جس میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے خصوصی خطاب فرمایا اور علامہ سید سلیمان ندوی کے حوالہ سے کہا کہ ہم نے ان سے اسی مسجد دار العلوم میں سنا تھا اور انہوں نے جصاص کے حوالہ سے یہ بات کہی تھی کہ:

''کوئی شخص اپنے بچہ کے متعلق یہ کہے کہ اسے علم دین کے لئے وقف کر دیا، تاکہ وہ علم دین حاصل کرے، چونکہ اس امت میں اعتدال ہے رہبانیت نہیں ہے اس کے ساتھ دنیا بھی مل سکتی ہے، اور یہ چیز سب سے زیادہ حفظ قرآن میں ہے، یہ خاص للّٰہی عمل ہے، اس سے دنیا کہیں سے نہیں لگی ہے، اور یہ تحفیظ قرآن کریم کا سلسلہ من جانب اللہ ہے، اور یہ اللہ کے وعدہ حفاظت قرآن کریم کا دنیا میں ظاہری سبب ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ'' (باختصار تعمیر حیات: شمارہ ۲۵ / ستمبر ۱۹۸۱ء)

اس تقریب میں حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کی شرکت نہیں ہوسکی تھی اس لئے کہ وہ سفر پر تھے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ میں اسلام اور مستشرقین پر بین الاقوامی سیمینار مشاہیر اسلام کی اس میں شرکت اور ندوہ میں اس کی گونج:

۲۱ تا ۲۳ر فروری ۱۹۸۲ء کو دارالمصنفین اعظم گڑھ میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ناظم دارالمصنفین اعظم گڈھ کی دعوت پر اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر انٹرنیشنل سیمینار میں جہاں عالم اسلام کے نمائندہ اہل اہل علم وفکر نے شرکت کی اور ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور اساتذہ اور ان کے ساتھ طلبۂ دارالعلوم نے اسے کامیاب بنانے میں اور مہمانوں کی ضیافت میں بھر پور حصہ لیا تھا، جس کا اعتراف ناظم دارالمصنفین جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے اسلام اور مستشرقین سیمینار کی روداد میں کیا ہے، یہ شخصیات ندوۃ العلماء بھی آئیں، اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تھے، اس کی تفصیلات تعمیر حیات ۱۰۔ اور ۲۵ مارچ ۱۹۸۲ء کے شماروں میں دیکھی جاسکتی ہے، عالمی شخصیات سے متعارف ہونے کا یہ موقع مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے لئے من جانب اللہ تھا کہ یہ فکر وسوچ کے بلند ہونے اور افراد کی تیاری میں ہمیشہ کام دیتا ہے۔

فضیلت اول کے طلبہ کا فضیلت دوم کے طلبہ کو الوداعیہ:

دیکھتے دیکھتے اختتام سال آگیا، النادی العربی اور اس کی لجنات خطابیہ، ثقافیہ اور قرأت، حفظ، اور تقریری وتحریری سبھی مقابلے بھی منعقد ہوگئے، تقسیم انعامات کی تقریبات ہوگئیں، مولانا عبدالباری کا فضیلت اول کا سال تھا اس سال کے طلبہ فضیلت دوم کے طلبہ کو الوداع کہتے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ تقریب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زیر صدارت ۸ر رجب المرجب بروز دوشنبہ طلبۂ دارالعلوم

کی انجمن جمعیۃ الاصلاح ہال میں دن کو منعقد ہوئی اور مہمان خصوصی کے طور پر ندوۃ العلماء کے سب سے سینئر استاد جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بھی استاد تھے ماسٹر عبدالسمیع صدیقی نے شرکت فرمائی، ندوہ کے شب و روز بتاتے ہیں کہ:

''تلاوت فضیلت اول کے طالب علم عبدالباری بھٹکلی نے کی، اناؤنسنگ کے فرائض فضیلت اول ہی کے طالب علم اسحاق حسینی نے انجام دئے۔ (تعمیر حیات: ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دار العلوم کے ماحول کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ: ہمارے دار العلوم ندوۃ العلماء میں جو ماحول ہے وہ بہت ہی لائق شکر اور باعث قدر ہے، طلبہ میں جو خصوصیات ہیں سعادت مندی کی اور مشوروں کو قبول کرنے کی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی، جن کا ان کو مشورہ دیا جاتا ہے، وہ بہت غنیمت ہیں۔

ہمارے عزیز طلبہ کی الحمد للہ یہ بڑی خصوصیت ہے جو سامنے زیادہ نہیں کہنا چاہئے کہ ان میں سعادت مندی، شرافت اور اساتذہ کی قدر اور مدرسہ کی قدر، اس کی سہولتوں کی قدر جو مدرسہ نے دی ہیں، اچھی خاصی ہے، اور یہ بہت لائق قدر بات ہے۔'' (تعمیر حیات: شمارہ ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی یہ تقریر ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سال فضیلت اول کے ممتاز رفقاء:

فضیلت اور تخصص اگرچہ الگ الگ تعبیرات ہیں ایک علوم شرعیہ میں اختصاص کے ساتھ اور دوسرے علوم ادبیہ میں اختصاص کے ساتھ خاص ہوگئی ہے، فضیلت میں تفسیر، حدیث، فقہ، دعوہ کے شعبہ جات ہیں، اکثر گھنٹوں میں ساتھ رہتے ہیں، ایک دو گھنٹوں میں الگ ہوجاتے ہیں (۱) البتہ تخصص کے طلبہ اکثر گھنٹوں میں الگ رہتے تھے۔ ممتاز رفقاء درس

---

(۱) اگرچہ مولانا عبدالباری ندوی نے جس زمانہ میں تعلیم حاصل کیا اس وقت دعوہ کا شعبہ الگ نہیں تھا، اور اکثر داخلے حدیث کے شعبے میں ہوتے تھے جس کی طرف مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ نے اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے، وہ مضمون شامل کتاب ہے۔

میں مولانا محمد اکرم ندوی (آکسفورڈ لندن) مولانا حشمت اللہ ندوی (دوحہ قطر) مولانا آفتاب عالم ندوی (دوحہ قطر) مولانا عبد الحی ندوی (دوحہ قطر) مولانا محمد مبین ندوی (لکھنؤ) یہ سب دار العلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ ہو گئے تھے، صرف مولانا محمد مبین ندوی اس وقت ندوہ میں ہیں، اور تعمیر حیات کے انتظامی شعبہ سے وابستہ ہیں مولانا خالد کانپوری ندوی، مولانا اسحاق حسینی ندوی، مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی مدرسہ عالیہ عرفانیہ چوک لکھنؤ میں استاذ ہوئے، بعد میں مولانا محمد خالد ندوی دبئی امارات منتقل ہو گئے اور مولانا سید اسحٰق حسینی ندوی نے دس سال قبل ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو سفر حج سے واپسی پر داعی اجل کو لبیک کہا وہ پیام انسانیت کی اضافی ذمہ داری بھی نبھاتے تھے، مولانا جعفر مسعود ندوی تدریسی مشغولیت کے ساتھ اس وقت ندوۃ العلماء سے نکلنے والے عربی جریدے الرائد کے مدیر التحریر ہیں انہوں نے اور ان کے ساتھی مولانا محمد اکرم ندوی اور مولانا وزیر احمد ندوی نے المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی میں ایک مزید سال لگایا، مولانا نیاز احمد ندوی مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں استاذ ہوئے اور تا حیات اپنی خدمات پیش کر کے مختصر علالت کے بعد ۲۷ر ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۳ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا، وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی کی خدمت میں بھی رہے، اور بڑی دعائیں لیں، مولانا محمد عمر لداخی ندوی نے دعوت اسلام اور پیام انسانیت کے کام کو اوڑھا اور لداخ میں بڑا دعوتی کام کیا۔ اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کے مجاز بیعت وارشاد بھی ہیں۔ مولانا عبد الباری ندوی اور مولانا عبد الصمد ندوی اپنے اپنے وطن واپس گئے اور وہاں دین کی اور علم دین کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کیا، مولانا عبد الصمد ندوی مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور سے وابستہ ہیں اور اچھے عالم دین ہیں، مولانا عبد الحسیب سیتاپوری شاعری بھی کرتے تھے، انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے نالۂ غم فراق کہا تھا، اور اشعار میں سب ساتھیوں کا تذکرہ کیا تھا جو راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ مولانا ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی جماعت اسلامی سے وابستہ رہے، علی گڈھ سے بی یو ایم ایس کیا، لیکن علم و تحقیق کے ایسے جویا

ہیں کہ ان کے قلم سے علم ودین اور طب پر متعدد تحقیقی کتابیں اور رسائل سامنے آچکے ہیں، ایک اچھے مفکر اور مبصر بھی ہیں، مولانا صابر حسین ندوی جامعہ اسلامیہ بھٹکل گئے اور اب اپنے وطن مشرقی بہار میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ایک ممتاز نام مولانا وزیر احمد ندوی کا ہے جو دبئی میں مقیم ہیں۔ مولانا محمد اکرم ندوی نے اپنی کتاب "ندوہ کا ایک دن" میں اپنے رفقاء کا ظریفانہ انداز میں بڑا اچھا تذکرہ کیا ہے وہ لائق مطالعہ ہے ان کے قلم سے متعدد علمی فکری موضوعات پر اہم کتابیں سامنے آچکی ہیں۔

معاصر رفقاء:

معاصر رفقاء جو درجہ کے رفیق نہیں البتہ ثقافتی وعصری رفاقت تھی ان میں جو نمایاں تھے وہ ہیں، استاذ احمد فہمی زمزم ندوی ملیشیا، استاذ علی رجب ندوی ملیشیا، مولانا اسد اللہ ندوی رائے بریلوی، مولانا محمد یوسف بھوپالی ندوی، مولانا جاوید اقبال ندوی سیتاپوری، مولانا سید عنایت اللہ ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا امام الہدیٰ ندوی آسام، مولانا ضیاء الرحیم مجددی ندوی نائب امیر جامعۃ الہدایہ جے پور، مولانا اکبر شریف ندوی بنگلوری، مولانا عمیس احمد ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، قاضی عبد الماجد کشمیری ندوی، مولانا محمد زکریا برماور بھٹکلی ندوی وغیرہ جن کا ان سے ایک یا دو سال کا فرق تھا۔

اساتذہ:

اساتذہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا ضیاء الحسن اعظمی ندوی، مولانا شہباز احمد اصلاحی مرحوم، مولانا ناصر علی ندوی، مرحوم، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ ابوداؤد شریف، مسلم شریف، اور بعض ابواب نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف کے اور ہدایہ ثالث ورابع (شوافع کے لئے اس وقت فقہ کی کتابیں الگ نہیں تھیں) اور علوم حدیث میں مقدمہ ابن الصلاح اور سیرت ابن ہشام

اورالارکان الاربعہ یہ کتابیں اور موضوعات فضیلت اول کے لئے تھے۔ یہ تفصیلات راقم کو مولانا عمیس احمد ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء وسابق استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے حاصل ہوئیں، جوان سے دوسال پیچھے اوردارالاقامہ کے ساتھی اور کمرہ کے پڑوسی رہے۔

سال اول کی آخری یادگار، حاکم شارقہ کی آمداور حضرت مولانا کا خطاب:

سال ختم ہوتے ہوئے، اچانک اطلاع پہنچی کہ امیر شارقہ شیخ سلطان محمد القاسمی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زیارت وملاقات کے لئے لکھنؤ تشریف لارہے ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ندوہ کے ذمہ داران واساتذہ وبعض طلبہ کے علاوہ حکومت اتر پردیش کے ذمہ داران گورنر صاحب، وزیراعلی اور دوسرے وزراء استقبال کے لئے اموسی ایرپورٹ گئے، حضرت مولانا نے ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کی جدید عمارت میں خیرمقدم کیا اور کہا کہ:

"ہم لوگوں کا تعلق ایک ایسے سلسلہ سے ہے، ایک ایسے مکتب فکر سے ہے جس کا یہ پرانا مقولہ ہے، "مبارک ہے وہ حاکم جو درویش کے دروازے پر جائے اور بہت نا مبارک ہے وہ درویش جو کسی حاکم کا دروازہ کھٹکھٹائے"۔ آپ کی تشریف آوری نے اس مقولہ کو مجسم طریقہ پر پیش کیا کہ ایک مسلم عرب حکومت کا فرماں روااور ایک صاحب اختیار حاکم وہ ایک شہر کا سفر کرتا ہے محض اس لئے کہ وہ دیکھنے والوں کو یہ تأثر دے کہ علم اور علماء کی اس طرح قدر کی جاتی ہے، آپ کا اس شہر میں کوئی اور کام نہ تھا، کوئی اور غرض نہ تھی، آپ نے اس شہر کا انتخاب کر کے ہمیں اپنی آمد سے شرف یاب کیا، حقیقت میں صحیفۂ اخلاق میں اور علم ودین کی تاریخ میں ایک نہایت مبارک اور قابل فخر روایت کا اضافہ کیا"۔

امیر شارقہ نے بعد میں اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہم حضرت مولانا (سماحۃ الشیخ) کی خدمت میں دعوت نامے بھیجتے رہے ان کو بلاتے رہے اور اس میں اتنی تاخیر ہوئی کہ ہم نے کہا کہ قبل اس کے کہ سماحۃ الشیخ تشریف لائیں میں خود حاضر ہو جاؤں"۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں ایک طرف حاکم کی علمی دوستی اور دین پسندی اور تواضع کی اعلیٰ مثال ہے وہیں ایک عالم دین کے زہد واستغناء کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر تاریخ میں کم نظر آئے گی۔(۱) کیسے مولانا عبدالباری کا حساس دل اس سے متاثر نہ ہوتا۔

سال فضیلت دوم اوراس کے اہم واقعات:

معمول کے مطابق ماہ شوال المکرّم میں سال نو کا آغاز ہوگیا، طلبہ کی علمی تحقیقی معیار کو بلند کرنے کے لئے سلسلہ محاضرات کا راشریفہ شروع کرالیا، جس کی سرپرستی عمید کلیۃ الشریعہ مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی سابق کارگزار مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اور نظامت وکیل کلیۃ الشریعہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کی، سال گزشتہ کے پروگراموں میں اس کا ایک پروگرام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں ہوا تھا اور تین مقالے پیش کئے گئے تھے، عزم وحوصلہ کے ساتھ جس میں فضیلت دوم کے طلبہ کی فکرمندی اور جذبہ کو بڑا دخل تھا، اس سلسلہ محاضرات کا آغاز کیا گیا۔

مولانا ابوالعرفان خان ندوی صدر کلیۃ الشریعۃ نے امام غزالی کی معرکتہ الآراء کتاب فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ میں سیر حاصل مقالہ پیش فرمایا، اور کہا کہ امام غزالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفرواسلام کے درمیان تفریق کے سلسلہ میں علمی انداز میں بحث کی، دوسرا مقالہ مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء کا فقہ کے پر، اور تیسرا مقالہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے تیار کیا تھا۔

ناظم ندوۃ العلماء کا جمعیۃ الاصلاح کے اسٹیج سے ایک دردمندانہ خطاب اور مولانا عبدالباری کا اس پر عمل:

مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے درجہ کے ہاتھ میں جمعیۃ الاصلاح کی قیادت تھی اور ان کے رفقاء میں مولانا سید اسحاق حسینی مرحوم کو زمام قیادت دی گئی تھی، جس کا افتتاحی جلسہ ۱۸ر

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا محمود الازہار ندوی مرحوم ندوی کا مضمون تعمیر حیات شمارہ ۱۰ر جون ۱۹۸۲ء)

ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کوالاصلاح کی جمالیہ ہال میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زیر صدارت منعقد ہوئے، ناظم الاصلاح مولانا سید اسحاق حسینی نے جمعیۃ الاصلاح کی افادیت واہمیت کے سلسلہ میں ایک مبسوط مقالہ پیش کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، مولانا ابو الکلام آزاد جیسے نابغۂ روزگار ونادرۂ عصر شخصیات کے تأثرات کے اقتباسات سنائے اور حضرت مولانا نے بڑے دردمندانہ لہجہ وتأثر میں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ:

''ضرورت ہے جد وجہد کی، خون پسینہ ایک کرنے، اپنے مقاصد میں منہمک ہوجانے کی، ملتیں سجتی ہیں قربانیوں سے، جانفروشیوں سے، جانبازیوں سے، دعوتیں پھیلتی اور پھولتی ہیں عزم محکم اور عمل پیہم سے، تحریکیں چمکتی ہیں کوششوں اور کاوشوں سے، قوموں کا ستارہ چمکتا ہے خون پسینہ ایک کرنے سے، اپنے مقصد کے لئے مرمٹنے اوراس کے لئے تن من دھن کی بازی لگادینے سے''۔ اورآگاہ کیا کہ:

ہم ان نبوی درسگاہوں کو بیرونی ممالک جانے کا پل ہرگز نہ بنائیں، اپنے اداروں پر ناز کریں، اوران اداروں نے جس خون جگر سے ہماری علمی وفکری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا ہے اسی خون جگر اوراسی جذبۂ عمل سے ہم ان اداروں کے مقاصد کے تکمیل میں مشغول ہوں۔'' (تعمیر حیات: شمارہ ۱۰-۲۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء، ص: ۲۷)

ایک شاہکار علمی نمائش:

جمعیۃ الاصلاح نے ۴-۵ اپریل ۱۹۸۳ء کو ایک عظیم وشاہکار علمی نمائش کا انعقاد کیا، جس کا افتتاح ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن نے نمائش لگانے والوں اور فارغ ہونے والے طلبہ کو خاص طور پر یہ توجہ دلائی کہ:

''یہ میز کسی پبلک لائبریری کی میز نہیں ہے، یہ ایک درسگاہ کی میز ہے، یہ ایک معمل ہے، ایک بہت بڑی کارگاہ ہے، جہاں ان دماغوں کو ڈھلنا ہے جو امت کی رہبری کریں گے، خدا کا شکر ہے کہ طلبہ کی اس انجمن نے بڑے بڑے صاحب قلم وخطیب پیدا کئے ہیں،

اور آج بھی وہ اسی طرح بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر اپنا کام انجام دے رہی ہے۔"

(تعمیر حیات: شمارہ ۱۰-۲۵ر مئی ۱۹۸۳ء-۲۵ر رجب المرجب ۱۴۰۳ھ)

چنانچہ حضرت مولانا کی یہ بات جن لوگوں نے دل سے لی ان میں ایک مولانا عبدالباری مرحوم بھی تھے، جو ایک مایہ ناز خطیب کے طور پر ابھرے اور اپنے علاقہ میں جا کر ایک ہلچل مچادی۔

دراصل یہ نمائش مولانا سید اسحاق حسینی ناظم جمعیۃ الاصلاح کی محنت وکاوش اور لگن کا ثمرہ تھی جس کو ان کے رفقاء درس، اراکین جمعیۃ اور بعض دوسرے احباب کامیاب بنانے میں پیش پیش تھے اور اس کو ایک علمی ادبی سیمنار کی حیثیت بھی اس طرح حاصل ہوئی کہ ملک کی ممتاز علمی ادبی شخصیت صاحب پروفیسر نذیر احمد علی گڑھ، پروفیسر نثار احمد فاروقی دہلی، حکیم عبدالقوی دریابادی، جیسی علمی، ادبی شخصیات نے اپنے مقالات وتأثرات پیش کئے تھے۔

الوداعی جلسہ:

اختتام سال تعلیمی پر الوداعیہ جلسہ فضیلت اول کے طلبہ نے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے زیر صدارت منعقد کیا، یہ آخری پروگرام تھا جس میں ایک دعوت فکر وعمل دی جاتی ہے، مختلف پروگراموں میں جن میں طلبۂ دارالعلوم کی شرکت ہوئی تھی، حضرت مولاناؒ نے ان اہم امور کی طرف طلبہ کو متوجہ کیا تھا کہ انہیں آگے چل کر کیا کرنا ہے، ان کے ان اہم خطابات کے بعض اقتباسات قارئین کی نظر سے گزر چکے ہیں، الوداعی خطاب جو حضرت مولانا نے فارغ ہونے والے فضیلت کے ان طلبا کے سامنے کیا وہ غالباً نقل ہونے سے رہ گیا۔ اس لئے اس کا اقتباس پیش کرنے سے مصنف قاصر ہے۔

نیک دل، نیک زبان

ایک رفیق درس اور دوست کی شہادت واعتراف☆

"خوبصورت چہرے والے تو آپ نے بہت دیکھے ہوں گے، لیکن خوبصورت چہرہ

(☆) مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی خلف الرشید حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ

کے ساتھ خوبصورت دل والے آپ کو کم ہی نظر آئیں گے۔

زبان سے شہد ٹپکاتے نہیں، شہد بہاتے لوگ تو قدم قدم پر آپ سے ٹکرائیں گے، لیکن دل سے محبتوں کے پھول برساتے لوگوں کو آپ ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔

اجلے کپڑوں میں ملبوس تو آپ کو گلیوں اور گلیاروں میں بھی چلتے پھرتے دکھائی دے جائیں گے، لیکن اجلے دل والے آپ کو مدرسوں، خانقاہوں حتی کہ مسجدوں میں بھی اکا دکا ہی نظر آئیں گے۔

جسم میں دل کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ اگر دل درست تو سب درست، لیکن ہماری صورتحال اب کچھ اس طرح کی ہے کہ سب درست اور نہیں درست تو دل نہیں درست۔

دل کی نیکی کیا رنگ لاتی ہے اس کا اندازہ کچھ اس سے لگائیے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہے، صحابہ کرام کی ایک تعداد وہاں موجود ہے، ایک سے بڑھ کر ایک پرہیز گار، شب بیدار، عبادت گزار، جاں نثار و وفا شعار، ایثار و قربانی میں اپنی مثال، سامنے سے ایک صحابی کا گزر ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو جنتی دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لے، صحابہ کرام تعجب میں پڑ جاتے ہیں کہ آخر ان میں کون سی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی۔

جنت ہی تو صحابہ کرام کی منزل تھی، تو کیوں نہ انہیں اپنی منزل تک پہنچنے والے راستہ کی تلاش ہوتی، چنانچہ کچھ حضرات ان کے پیچھے ہو لیے، تین دن تک ان کے ساتھ لگے رہے، ایک ایک عمل دیکھتے رہے، لیکن کوئی خاص عمل نظر نہ آیا، مجبور ہو کر انہی سے پوچھا کہ بھائی آپ ہی بتائیے کہ وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں آپ کو جنتی قرار دیدیا، کیونکہ جو کچھ ہم نے آپ کو کرتے دیکھا، وہ تو ہم بھی کرتے ہیں، لیکن پھر بھی جنت کی یہ بشارت ہمیں نہیں ملی، تو آپ ہی ہماری کچھ رہنمائی کیجیے، انہوں نے

جواب دیا کہ رات کو سونے سے پہلے میرا یہ معمول ہے کہ میں اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں اور اگر اس میں کسی کے بارے میں کوئی بدگمانی پاتا ہوں تو اس بدگمانی کو دل سے دور کر کے اپنا دل بالکل صاف کر لیتا ہوں، شاید یہی عمل ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا ہو۔

دل کی یہ نیکی اور صفائی مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی خاص صفت تھی، میں نے چار سال تک ان کو بہت قریب سے دیکھا، اس عمر میں دیکھا جو عمر شرارت کی کہی جاتی ہے، بڑھاپہ میں تو آپ کو نیکی کرتے اور بدی سے بچتے لوگ بہت مل جائیں گے، لیکن نوجوانی میں اور پھر طالب علمی میں اور پھر خوشحالی اور وسائل کی فراوانی کے ساتھ؟ یہ تو اس بندے کے ساتھ ہوتا ہے جس پر خدا کا خاص فضل ہوتا ہے، قیامت کے دن، حشر کے میدان میں نفسا نفسی کے عالم میں، عرش الٰہی کے سایہ میں جو سات قسم کے مخصوص ترین افراد ہوں گے، ان میں وہ نوجوان بھی ہوں گے جنہوں نے اپنی نوجوانی میں خدا کی بندگی کو اپنی ہر خواہش پر مقدم رکھا۔

زمانہ طالب علمی میں مولانا عبدالباری مرحوم ممتاز تھے، لیکن بہت نہیں، فائق تھے، لیکن سب سے نہیں، پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو مقبولیت ومحبوبیت میں اس مقام پر پہنچا دیا جس مقام پر فائق سے فائق اور ممتاز سے ممتاز طالب علم بھی نہیں پہنچ پاتا، آپ اس کا سہرا ان کی جس خوبی کے سر باندھیں، لیکن میرا تو یہی خیال ہے کہ اس کا کریڈٹ جاتا ہے ان کی احتیاط کو، احتیاط بولنے میں، رائے کے اظہار میں، دوسروں پر تبصرہ کرنے میں، استاد کے بارے میں لب کشائی میں، مدرسہ کے نظام پر تنقید کرنے میں، مدرسے کی چیزیں استعمال کرنے میں، مدرسہ کے نصاب پر رائے زنی کرنے میں، مدرسہ کے ذمہ داروں کو نشانہ بنانے میں، مدرسہ کی خامیوں کو موضوع بحث بنانے میں، مطبخ سے آنے والے کھانے میں عیب نکالنے میں۔

انہوں نے ندوہ میں چار سال اس طرح گزارے کہ پڑھنے کے علاوہ انہوں نے کسی چیز سے کوئی مطلب نہیں رکھا، اسباق کی پوری پابندی، درجہ میں وقت پر حاضری، اساتذہ کا پورا احترام، منتظمین کا ہر فیصلہ انہیں منظور، نظام کی ہر تبدیلی پر وہ راضی، مدرسہ کی سیاست سے

پوری طرح کنارہ کشی، مختلف بنیادوں پر ہونے والی گروپ بندی سے ہر طرح سے علاحدگی۔

کسی طالب علم کے لیے یہ وہ صفات ہیں جو شاہ کلید کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ وہ صفات ہیں جن سے ان کے علم کی روشنی بڑھتی گئی، عمل کی توفیق ملتی گئی، فیض پھیلتا گیا، برکت پہ برکت ہوتی چلی گئی، مٹی سونا بنتی گئی، کانٹے پھول بنتے گئے، ترقی کی رفتار بڑھتی گئی، اور عزت شہرت، مقبولیت کی جو مسافت بڑھاپے میں جا کر طے ہوتی ہے وہ انہوں نے اپنی برق رفتاری سے جوانی ہی میں طے کر لی۔

مولانا عبد الباری ندویؒ دار العلوم ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے وابستہ ہو گئے، زمانہ طالب علمی کی ان کی خوبیوں اور نیکیوں نے یہاں بھی اپنا اثر دکھایا، مقبولیت تھی کہ بڑھتی گئی، شہرت تھی کہ روز بروز پھیلتی گئی، اہتمام کا منصب ملا، منصب کیا اہتمام کا کانٹوں بھرا تاج ملا، لیکن کمال تھا ان کی نرم مزاجی کا، لہجہ کی مٹھاس کا، پیار بھری نظروں کا، محبت کی گرمی کا، کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے سمجھانے کا، اوروں کے ساتھ دوستانہ انداز اختیار کرنے کا، انہوں نے اہتمام کے تاج میں پھنسے ان کانٹوں کو نگینوں میں تبدیل کر کے اہتمام کے تاج کو جگمگایا اور حکمت پر مبنی اپنے فیصلوں، اپنے غیر جانب دارانہ مزاج اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کی اپنی صلاحیت سے اہتمام کے تاج میں پھنسے کانٹوں کو پھول بنا کر اہتمام کے اس تاج کو مہکا دیا، انہوں نے آنے والے مہتمموں کے لیے ایک ایسا نمونہ چھوڑا کہ جب تک اس نمونہ پر عمل کیا جاتا رہے گا جامعہ کا نظام بحسن وخوبی چلتا رہے گا۔

مولانا عبد الباری ندوی کی شہرت یوں تو ایک مہتمم کی حیثیت سے، ایک مفسر کی حیثیت سے، ایک خطیب کی حیثیت سے اور امام جمعہ کی حیثیت سے تھی لیکن ان کی اصلاحی کوششوں، دعوتی خدمات اور سماجی کاموں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے، خاموشی سے وہ اپنا کام کرتے تھے، سادگی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، سب سے جڑ جاتے تھے اور سب کو اپنے ساتھ جوڑ لیتے تھے، سب کے کاموں میں تعاون کرتے تھے اس طور پر کہیں

بھی نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کرتے تھے، نرمی، محبت اور حسن اخلاق نے ان کے اندر وہ تاثیر پیدا کر دی تھی جو تاثیر صرف اہل دل ہی کا امتیاز ہے، آدمی ان کی طرف کھنچتا تھا اور کھنچتا ہی چلا جاتا تھا، انکی دل موہ لینے والی مسکراہٹ واقعی دلوں کو موہ لیا کرتی تھی، دل کی صفائی کا عکس ان کے چہرہ پر نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا تھا۔

دونوں مرتبہ مجھے بھٹکل جانے کا اتفاق ہوا، مختلف لوگوں سے ملنے اور مختلف حلقوں میں جانے کا موقع ملا اور ہر بار یہی محسوس ہوا کہ اگر کوئی شخصیت ان میں ایسی ہے جس کا احترام ہر دل میں ہے اور جس پر سب کا اتفاق ہے، وہ شخصیت صرف مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی ہے۔

آج دنیا لوگوں سے بھری پڑی ہے لیکن ایسے دل والوں سے تقریبا وہ خالی ہے یہی وجہ ہے کہ خاندان ٹوٹ رہے ہیں، ادارے ٹوٹ رہے ہیں اور تنظیمیں مٹ رہی ہیں حتی کہ مدرسوں اور خانقاہوں میں بھی توڑ پھوڑ مچی ہوئی ہے کیونکہ اپنی محبت سے اپنی نرمی سے، اپنے اخلاق سے اور غیر جانب داری سے، اپنے ایثار سے دلوں کو جوڑنے اور دلوں کو موم کرنے والے لوگ کم ہوتے جارہے ہیں، جس خاندان کو جس ادارہ کو جس مدرسہ کو جس خانقاہ کو ان خصوصیات کے حامل افراد مل جائیں اور وہ مدرسہ اور ادارہ ان افراد کی قدر کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے تو یہ ادارہ لمبی مدت تک اپنی خدمات اور اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی رہے گا"۔

یہ تھے تأثرات، جذبات، احساسات ان کے رفیق درس اور دوست مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی مدیر التحریر جریدۃ "الرائد" ندوۃ العلماء واستاد مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ کے جنہیں ایک عظیم شہادت اور کامل اعتراف کا درجہ حاصل ہے۔

حدیث کا اختتامی سال:

یوں تو دارالعلوم میں حدیث شریف کی تعلیم عالمیت کے چار سالوں اور پھر فضیلت کے دو سالوں میں دی جاتی ہے، البتہ بخاری شریف کا سال فضیلت دوم کا ہے، اور جس دور

میں مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے حدیث کی اعلیٰ تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی اس وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا ضیاء الحسن اعظمی ندویؒ تھے، اور مکمل بخاری شریف (جلد اول وجلد ثانی) انہیں کے پاس تھی (۱) اور وہ اس کا التزام رکھتے تھے کہ مکمل کرائیں، اور یہ بھی اہتمام کرتے تھے کہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ذریعہ ختم کرائیں۔

مزید حجۃ اللہ البالغۃ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ اور ادب میں سبع معلقات حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، طحاوی شریف اختصاص فی الحدیث والوں کے لئے مولانا مفتی ظہور صاحب ندوی مدظلہ، اور تفسیر والوں کے لئے مولانا برہان الدین سنبھلی اور مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی وغیرہ کے گھنٹے ہوتے تھے، اور مولانا ابوالعرفان خان ندوی کے پاس تفسیر کے ساتھ علوم اسلامیہ کا ایک مضمون تھا، اس طرح ماہرین فن علمائے راسخین سے استفادہ سے انہوں نے تحصیل علم کے ساتھ تبلیغ دین واشاعت کی مؤثر راہ پائی اور یہ واقعہ ہے کہ بہت ہی باکمال اور جید علماء سے استفادہ سے طلبہ میں اعلیٰ علمی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، مزید جو ثقافتی پروگرام ہوتے ہیں اور ممتاز علمی شخصیات کی آمد پر ان کے جو محاضرات ہوتے ہیں اس سے ایک دوسرا علمی فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس طرح وہ ایک کامیاب اور اپنی زندگی کا امتیازی عہد گزار کر اپنے علاقہ میں اشاعت علم ودعوت کے کام میں ایسا وقف ہوئے کہ لوگ ان سے استفادہ کرنے کے لئے پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔

اجازت حدیث:

جہاں تک اجازت حدیث کا تعلق ہے، ان کو باقاعدہ کس کس سے یہ شرف حاصل ہوا اس کا علم مصنف کو نہیں ہوسکا، البتہ محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی زید مجدہ سے معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے مولانا عبدالباری ندوی کو اجازت حدیث سے سرفراز کیا

(۱) سوائے کتاب الایمان وکتاب العلم کے جو ندوۃ العلماء کے نصاب درس میں اس زمانہ میں عالیہ رابعہ میں پڑھائے جاتے تھے، یہ آپ نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں پڑھے تھے۔

تھا، مولانا کا معمول چار طرق سے اجازت دینے کا ہے:
۱- شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ۔
۲- علامہ محدث مولانا محمد یوسف بنوری۔
۳- حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھی۔
۴- علامہ محدث شاہ حلیم عطا سلونی۔

ان مشائخ اربعہ میں حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی سند حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے توسط سے ولی اللّٰہی سند ہے جس میں مسلسلات کی بھی سند ہے، اور حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتا بگڈھی کی یہ خصوصیت ہے کہ صرف دوواسطوں سید شاہ بدر علی محدث رائے بریلوی اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی تک پہونچ جاتی ہے۔

علامہ محمد یوسف بنوری کی سند امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کے توسط سے کبار مشائخ حدیث تک پہنچتی ہے۔

علامہ شاہ حلیم عطا سلونوی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء وعلامہ شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی خزرجی سے شرف تلمذ حاصل ہونے کی وجہ سے وہ عالی سند حاصل ہے جو صاحب نیل الاوطار علامہ شوکانی کی ہے

باقی مولانا ضیاءالحسن اعظمی ندوی، مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی اور مولانا محمد برہان الدین سنبھلی سے اسباق حدیث لینے میں علمائے دیوبند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، علامہ سید فخرالدین رحمہم اللہ سے بیک واسطہ شرف تلمذ حاصل ہے، اور مولانا ناصر علی ندوی صاحب کے توسط سے علم حدیث میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور مولانا محمد خالد غازی پوری صاحب کے توسط سے علامہ عبدالستار معروفی اعظمی سے اور مولانا سلمان حسینی ندوی کے توسط سے علامہ محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

پانچواں باب

زمانۂ تدریس اور جامعہ اسلامیہ میں تقرر

جامعہ اور ندوۃ العلماء:

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا باضابطہ تعلیمی الحاق ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۴۰۰ھ ر ۱۹۸۰ء میں ہوا یہ مولانا عبدالباری ندوی کا جامعہ میں آخری اور عالمیت کا چوتھا وآخری سال تھا، اس سے قبل جامعہ کے طلبہ دارالعلوم ندوۃ میں امتحان دے کر داخلہ لیتے تھے، مولانا عبدالباری صاحب کے درجہ سے یہ بات نہیں رہی اور ندوہ کے طلبہ کے ساتھ جامعہ کے طلبہ کا امتحان لیا جانے لگا۔

جامعہ میں تدریس:

مولانا ندوۃ العلماء فضیلت کی تعلیم کے لئے آئے تو ان کے ساتھ مرڈیشور کے ساتھی مولانا عبدالصمد صاحب تھے، جو مرڈیشور کے قاضی اور وہاں کے تعلیمی ادارے تنویرالاسلام کے اہم استاذ ہیں، مولانا کے دیگر رفقاء ندوہ میں متعدد نے تدریس وتعلیم کو اور بعض نے تحقیق وتصنیف کو اور بعض نے دعوت وتبلیغ کو اور بعض نے صحافت کو اختیار کیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ میں مولانا کا تقرر ہو گیا، ۱۹۸۳ء ر ۱۴۰۳ھ سے ۱۴۲۰ھ ر ۲۰۰۰ء تک مولانا نے جامعہ اسلامیہ میں بحیثیت استاد کام کیا، اور فقہ وحدیث کی اہم کتابیں زیر درس رہیں، حدیث شریف میں ان کو جلد ہی مشکوۃ شریف مل گئی، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب کے مطابق درجہ ششم عربی عالیہ ثانیہ میں پڑھائی جاتی تھی، مولانا کو اس کے لئے پہلی جماعت ان افراد کی ملی جنہوں نے آگے چل کر تعلیم ودعوت وتبلیغ اور ملی کاموں

میں نمایاں مقام پیدا کیا، ان میں مولانا محمد الیاس صاحب ندوی، مولانا محمد یونس صاحب ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پھر کیا تھا ہر جماعت میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جن سے علم ودین کا نفع خوب عام ہورہا ہے، ان میں خاص طور پر مولانا انصار الخطیب ندوی سابق مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، مولانا عبدالسبحان ندوی نائب مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، مولانا عبیداللہ کنڈلوری ندوی بانی وناظم جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی نمائندگی کرنے والے اساتذہ مولانا عبدالسلام خطیب ندوی، مولانا فیصل احمد ندوی، مولانا ابوبکر صدیق خطیبی ندوی وہ اشخاص ہیں جن کے ذریعہ مولانا کا علمی ودینی فیضان دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی عام ہورہا ہے، اور مختلف دعوتی فکری، تعلیمی خدمات کے حوالہ سے ان کے خصوصی تربیت یافتہ عالم دین مولانا سید ہاشم ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اور مولانا سید سحبان ثاقب ندوی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی خدمت وصحبت میں رہتے ہوئے تصنیف وتحقیق کے عمل میں مصروف ہیں، یہاں ہم ان کے ایک عزیز اور شاگرد اور مستند عالم دین استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا عبدالسلام بن اسمٰعیل خطیب ندوی کا حقائق پرمبنی مضمون پیش کرتے ہیں، جو ان کے عہد تدریس کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے:

مولاناؒ بحیثیت ایک استاد ومربی

"ہمارے محبوب استاد ومربی حضرت مولانا عبدالباریؒ صاحب نے اپنی مختصر سی زندگی کا تقریباً پورا حصہ جن اہم کاموں میں گزارا ان میں ایک تعلیم وتعلّم ہے مولاناؒ کے طفولت کے دو چار سال الگ کردئے جائیں تو آپ کی زندگی کے بقیہ پچاس سال مدرسہ کی چہار دیواری میں گزرے اور اسی تعلق کو نباہتے ہوئے آپؒ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ ع

مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

تعلیم وتعلم ایک اہم عبادت اور اشاعت دین اور دعوت الی اللہ کا ایک مفید اور بہترین طریقہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ

مُعَلِّمًا: (۱) اور ایک موقع سے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَ لٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا (۲) اسی طرح آپ ﷺ کے طرز تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے ایک صحابی ارشاد فرماتے ہیں مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ (۳)

استاد اور معلم بن کر انسانیت کی خدمت کرنا یہ تو حضور پاک ﷺ بڑی اہم اور عمر بھر کی سنت اور آپ ﷺ کا طریق کار رہا ہے ہمارے استاد و مربی مولانا عبدالباری صاحبؒ بھی اپنے آقائے دو جہاں ﷺ کی اس سنت پر زندگی بھر عمل پیرا رہے

مولاناؒ کی تدریسی خدمات کا اصل دائرہ تو جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا احاطہ اور جامع مسجد کی چہار دیواری رہی اور زمانی عرصہ ۱۹۸۳ء تا وفات رہا۔

مولانائے محترم نے عربی کی ابتدائی کتابوں نحو، صرف، ادب، انشاء سے لے کر فقہ وحدیث تک کی اکثر اہم اور بڑی کتابیں پڑھائیں انتقال کے وقت آپ کے زیر تدریس حدیث کی بالاتفاق سب سے اہم کتاب بخاری شریف کا ایک حصہ اور طلبہ کے لئے بڑی ہی مفید اور حدیث کی مقبول ومتداول کتابوں میں سے ایک اہم کتاب جامع ترمذی کا دوسرا حصہ تھا اس طرح سے آپؒ بیک وقت بحیثیت مہتمم، شیخ الجامعہ، اور بخاری جلد اوّل کا ایک حصہ پڑھانے کی وجہ سے جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث بھی تھے۔

مولانا مرحوم کے آخری دیدار سے محروم اس دور افتادہ شاگرد کو آپؒ سے ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۴ء عالمیت کے آخری سال تک مختلف اوقات میں بڑی اہم کتابیں مختلف درجات میں پڑھنے کا موقع ملا وہ وقت مولانا کی تدریسی زندگی کا ابتدائی اور ابھرتا ہوا دور تھا آپؒ ۲۴، ۲۵ سال کے بالکل مضبوط چست وتوانا نوجوان تھے چہرے پر بھری کالی داڑھی، وجیہ وخوبصورت چہرہ سفید وصاف ستھرے کپڑے پہنے مسکراتے چہرے کے ساتھ درجہ تشریف لاتے، داخل ہوتے ہی سلام کرتے پنجم مکتب میں ابتدائی چند دن منہاج العربیہ کے چند صفحات پڑھائے، زیادہ تر وقت کھڑے رہتے "ھـذا" "ذلك" عربی الفاظ کہتے اور معانی

(۱) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۳۴ (۲) صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۷٦۳ (۳) صحیح مسلم ۱۲۲۷

معلوم کرتے اور کبھی کبھار اردو الفاظ پوچھ کر اس کی عربی معلوم کرتے، کبھی طلباء کا سبق میں استحضار کرنے کے لئے ایک لفظ کے معنی کی جگہ دوسرا لفظ کہتے دیکھیں طلباء ذہناً حاضر ہیں یا نہیں۔ بڑی کتابوں میں ہم لوگوں نے فتح المعین کی عبادات کا حصہ اور ترمذی شریف جلد اول عالیہ رابعہ میں مولانا سے پڑھی، درس کی خصوصیات نمبر وار حسب ذیل لکھی جا رہی ہیں:

(۱) مولانا کا درس بڑا عملی ہوتا جو چیزیں پریکٹیکل بتانے کی ہیں اس کو کر کے دکھاتے خاص کر حج سے متعلق مسائل، رمل کرنا طواف کے دوران شانہ روان سے جسم کو باہر رکھنا، احرام پہننے کا طریقہ، جنازے سے متعلق بہت سی چیزیں اور قرآن وحدیث میں جو باتیں پڑھاتے تھے وہ صفات آپکی عملی زندگی میں پائی جاتی تھیں۔

(۲) شخصیت کا اثر:۔ طالب علم پر استاد کی ظاہری شخصیت (پرسنالٹی) اور آواز کا بڑا اثر پڑتا ہے آپؒ ماشاء اللہ بڑے وجیہ وشکیل بھرے چہرے والے معتدل القامت اور بلند پاٹ دار آواز والے تھے، آپؒ کو دیکھتے ہی طلباء پر ایک اچھا اثر قائم ہوتا تھا، طالب علم کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لیتی تھی کہ میں بھی مولانا جیسا بنوں۔

(۳) شفقت ومحبت:۔ مولانا بڑے ہی محبت کرنے والے شفیق استاذ تھے طلباء سے ہمیشہ ہمدردی کا معاملہ کرتے کبھی کوئی سخت بات کہہ کر طالب علم کو اپنے سے مایوس یا دور نہ کرتے۔ ہر طالب علم یہ سمجھتا کہ مولانا کی نگاہ شفقت پوری طرح مجھ پر ہے یہی حضور پاک ﷺ کے بارے میں صحابہ کرام سمجھتے تھے اور مولانا علم کو اپنے سامنے والوں تک منتقل کرنے کی پوری کوشش کرتے بسا اوقات ایک مسئلہ کو کئی کئی بار سمجھاتے تاکہ طالب علم سمجھ جائے۔

(۴) وقت کی پابندی:۔ آپ وقت کی پابندی کا بڑا اہتمام کرتے تھے چاہے موسم کیسا ہی ہو یا آپ کتنے ہی مشغول کیوں نہ ہوں، درس کے ناغے کا بالکل مزاج ہی نہیں تھا، اسی لئے آپ کے درس اور وقت میں بڑی برکت تھی مختصر سی عمر میں بہت بڑا کام کر گئے۔

(۵) طلباء کی تربیت کی فکر:۔ مولانا مرحوم خالص کتاب پڑھانے والے رسمی استاذ

نہیں تھے بلکہ آپ تو ایک مربی مصلح اور اپنے شاگردوں ومستفیدین کے مرشد ورہنما تھے، اسی لئے آپ دوران درس پورے اعتماد وتوازن کے ساتھ تربیتی باتیں بھی ارشاد فرماتے رہتے تھے ایسا اعتدال کہ آپ کے سبق میں نہ خالص درسی باتیں ہوتیں اور نہ صرف پند ونصائح، بلکہ دونوں کو ساتھ لے کر چلتے، نماز اور خاص کر نماز فجر کی پابندی پر بڑا زور دیتے، سنیچر کے دن عام طور پر ہاسٹل میں مقیم طلبہ بھی جمعرات کو گھر جا کر اس دن کی صبح واپس آتے تھے تو ان سے فجر کی نماز کے بارے میں ''ج'' کو مشدد کر کے ''فجّر'' کہہ کر ضرور پوچھتے۔

(۶) طلباء کے ساتھ خیر خواہی:۔ مولانا کا مزاج داعیانہ تھا اور داعی کی صفت مدعو کے لئے ہمدرد وخیر خواہ ہونا ہے اسی لئے مولانا کو اپنے طلبہ سے بڑی محبت وہمدردی تھی، ہر وقت ان کی خیر خواہی مدنظر رہتی، درجہ میں سمجھاتے تو کبھی تنہائی میں بلا کر اس کو نصیحت کرتے کبھی کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو متوجہ کرتے تو کبھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو اچھی باتوں کی طرف راغب کرتے، اور یہ صرف طلباء کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا بلکہ سب کے ساتھ آپ کا معاملہ ایسا ہی تھا اسی لئے طلباء آپ کے گرویدہ تھے اور ہمیشہ گھیرے رہتے تھے، اگر کوئی طالب علم کسی وجہ سے تعلیمی لائن سے اپنے آپ کو الگ کرنا چاہتا تو اس کو اور اس کے سرپرستوں کو سمجھاتے اس کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے اس کے لئے دعائیں کرتے کہ کسی طرح وہ اپنی تعلیم مکمل کر لے اس طرح کے پتہ نہیں کتنے فضلائے جامعہ ہوں گے جو خاص مولانا کے سمجھانے ہی سے دوبارہ جامعہ واپس آئے۔

(۷) کتاب سے تعلق:۔ آپ جو بھی کتاب پڑھاتے کوشش کرتے کہ طلباء کا تعلق براہ راست کتاب سے قائم ہو جائے اس لئے ہر ایک سے کہتے کہ اپنی کتاب لے کر درجہ حاضر ہو جاؤ، کتاب کی عبارت پر نظر رکھو، مطالعہ کر کے درجہ آؤ، طلباء سے عبارت پڑھوا کر خود حل کراتے جہاں الفاظ کی تشریح کرنی ہوتی وہ کرتے احادیث کی شرح میں ائمہ متقدمین کے اقوال ذکر کرنے ہوتے تو اس کا تذکرہ کرتے یاد رکھنے کی چیزیں ہوں تو یاد کرنے کا حکم

دیتے اور طلباء استحضار مطالعہ اور یاد رکھنے کا امتحان بھی لیتے رہتے۔

(۸) جذباتی باتوں اور تنقید و تبصروں سے اجتناب: مولاناؒ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ درجہ میں دوران درس جذباتی باتیں اپنے تجربات و واقعات یا ادارے کے ذمہ داروں یا اصول و قوانین پر نقد و تبصرہ وغیرہ سے ہمیشہ اجتناب کرتے اسی طرح اپنے معاصرین و رفقاء کے خلاف کوئی سخت بات یا تنقید یا اپنے چھوٹوں میں اپنے بڑوں یا ان کے بڑوں پر کسی طرح کا تبصرہ کرنے سے گریز کرتے، اجتماعی نظام میں مدارس کی زندگی میں ایسے حالات بہت پیش آتے رہتے ہیں کہ جس سے کام کرنے والا جھنجھلا جاتا ہے، زبان سے کوئی نہ کوئی بات نکل ہی جاتی ہے ہمارے مولاناؒ اس وقت تک نہ مہتمم تھے نہ نائب مہتمم، لیکن اپنے کام سے کام رکھتے کوئی تبصرہ یا جذباتیت آپ سے ظاہر نہ ہوتی۔

(۹) اخلاص واختصاص: مولاناؒ نے ہمیشہ اپنے کاموں میں اللہ کی رضاجوئی واخلاص کو مدنظر رکھا اس کا اندازہ مولانا کی بیماری کے دوران آخری ایام میں کی گئی دعاؤں ان کے بزرگوں کے ان پر اعتماد کرنے اور ان کی زندگی ہی میں ان کی مقبولیت ومحبوبیت اور ان کی وفات پر امنڈ آنے والے اطراف واکناف کے افراد کے سیل رواں، تعزیتی جلسوں میں آپ کے حق میں دی جانے والی گواہیوں سے ہوتا ہے "والعلم عند اللہ"۔ اور جہاں تک اختصاص کا تعلق ہے آپ نے اپنے آپ کو کبھی غیر ضروری کاموں یا غیر متعلق امور سے وابستہ نہیں رکھا، جو کام آپ کو سپرد کیا جاتا اس کو بڑے اچھے انداز میں پوری تیاری اور اتقان کے ساتھ کرتے اسی لئے آپ کا ہر کام بڑا نافع اور مفید ثابت ہوا۔

(۱۰) تعمیری روح:۔ آپ کے دروس، خطبات، نصائح اور دوسرے تمام کاموں میں تعمیری روح کارفرما ہوتی جو واضح طور پر نظر آتی تھی آپ کی لغت میں مایوسی ہمت شکنی یا منفی سوچ جیسے الفاظ تھے ہی نہیں، ہر ایک کی حوصلہ افزائی کرتے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے اور ہر تعمیری فکر رکھنے اور کام کرنے والے کا تعاون کرتے۔

(۱۱) تواضع ووقار:۔ مولاناؒ کی ایک اہم صفت تواضع کی تھی یہ تو ہر جگہ نظر آتی تھی دوران درس بھی یہ صفت آپ میں نمایاں رہتی، آپ کسی تحقیق یا علمی نکتہ کو پیش کرتے تو اپنی نکتہ دانی یا ہمہ دانی کا دعوی کرکے یا دوسرے کی بات کو حقیر اور سطحی سمجھ کر پیش نہیں فرماتے بلکہ ہر ایک کا اعتراف کرتے ہوئے کسی ایک بات کو راجح قرار دیتے، اسی طرح آپ بڑے باوقار وسنجیدہ بھی تھے جہاں تواضع اختیار کرنی ہوتی وہاں متواضع رہتے لیکن اس میں بھی پوری سنجیدگی اور وقار کے ساتھ، اسی طرح دوران درس وخطبات بھی اور گفتگو میں بھی جلدی یا غیر ضروری حرکات وسکنات یا ہنسنے ہنسانے کی باتوں وغیرہ سے علم کے وقار اور اپنے وقار کو مجروح ہونے نہیں دیتے، ویسے تو مولانا کے درس کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کو آپ کے شاگرد مختلف انداز سے پیش کرتے رہیں گے، آپؒ کا انداز درس نرالا تھا، ہمیشہ طلبہ کو اپنی جانب متوجہ رکھتے، اگر کسی کا ذہن منتشر ہوتا تو فورا بڑے ہی حکیمانہ انداز سے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتے، الفاظ کو بار بار دہراتے تاکہ طلبہ پوری طرح سمجھ جائیں، اگر کوئی مسئلہ پیچیدہ ہوتا تو اس کو عملی طور پر کرکے دکھاتے، یہاں تک کہ وہ مسئلہ طلبہ کے ذہن میں ہمیشہ کے لئے پیوست ہوجاتا، اکثر فرمایا کرتے کہ اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لو، اگر دس مرتبہ بھی پوچھو گے تو میں ضرور سمجھاؤں گا، اگر کسی مسئلہ کو طالب علم کے سمجھنے میں دشواری ہوتی تو آپ اس قریب بلاتے اپنے پہلو میں بٹھاتے، اور عبارت حل کراتے پھر مسئلے کو طالب علم از خود حل کرلیتا، جس سے مولانا کے دل کو عجب سرور ہوتا۔

مولانا کے درس میں تربیتی اور اصلاحی باتیں بھی ہوا کرتی تھیں، اکثر طلبہ کو میرے عزیزو کہہ کر متوجہ کراتے، روز طلبہ سے پوچھتے کہ آج کس کی کون سی نماز جماعت کے بغیر ادا ہوئی، جس سے طلبہ میں نماز کے سلسلہ میں بیداری پیدا ہوتی، درس دیتے وقت آپ ہمیشہ دوزانوں بیٹھتے تھے، میں نے آپ کو درس دیتے وقت کبھی بھی چہار زانوں بیٹھتے نہیں دیکھا، اگر کوئی طالب علم بھی چہار زانوں بیٹھتا تو آپ اس کو دوزانوں بیٹھنے کی ترغیب دیتے اور

فرماتے کہ علم ادب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اخیر میں جب آپ کو پاؤں میں تکلیف ہوئی تو دفتر میں اوپر بیٹھ کر مجبوری کی وجہ سے درس دیا، آپ کے درس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی کہ ہر طالب علم یہی سوچتا کہ توجہ صرف میری طرف ہے، اور میں ان کا خاص شاگرد ہوں، الغرض آپ ایک ہر دلعزیز استاذ تھے فرمایا کرتے کہ میرے پاس اعمال کچھ بھی نہیں ہے، میں اس امید میں پڑھاتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک میرا یہی عمل قابل قبول ہوجائے اور آپ زندگی میں کامیاب ہوجائیں اور میرے لئے دعا کریں۔

اور فرماتے: ؎

وطن کی ریت مجھے ایڑیاں رگڑنے دو
مجھے امید ہے کہ پانی یہیں سے نکلے گا

طلباء پر حد درجہ شفیق تھے اگر کوئی طالب علم غیر حاضر ہوتا تو اس کا حال دریافت فرماتے، مجلس میں کبھی کسی کی چغلی ہونے نہیں دیتے، اگر کوئی طالب علم چغلی کرتا تو آپ اسی وقت بات کو ٹال دیتے اور چغلی سے روک دیتے''۔(۱)

(۱) مولانا عبدالسلام خطیب ندوی کے تأثرات مولانا مرحوم کے دیگر شاگردوں کے بھی تأثرات ہیں، جو مولانا کی شخصیت سے متعلق مختلف مضامین ومقالات میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں جو''نقوش طیبات'' ''ارمغان حجاز'' اور طلبہ بھٹکل دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مرتب کردہ کتاب''مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی کی ایک عظیم شخصیت کی زینت ہیں۔

چھٹا باب

جامعہ اسلامیہ کا دور اہتمام اور اس کی خصوصیات و امتیاز

جامعہ اسلامیہ بھٹکل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نظر میں

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کاروان زندگی ۱۴۰۷/۷-۱۴۱۱ میں اپنے سفر بھٹکل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں جو مئی ۱۹۹۸ء میں ہوا تھا کہ:

"بھٹکل (جہاں اس سے پہلے کئی بار جانا ہوا) عربی النسل، شافعی المذہب مسلمانوں کا قدیم مسکن ہے، جو غالباً کسی قدیم زمانہ میں ممکن ہے تیسری چوتھی صدی ہجری میں کسی عرب مسلمان حاکم کی مخالفت اور ایذاء رسانی کی بنا پر ترک وطن کر کے ہندوستان کے اس ساحلی مقام پر آباد ہو گئے، اس قطعہ میں اس وقت ان کی آبادی ۲۵/ ہزار بتائی جاتی ہے، انہوں نے اپنی بہت سی تہذیبی، معاشرتی اور مذہبی خصوصیات باقی رکھی ہیں، اور ان کا لباس، تہذیب اور حلیہ واحد اور متشابہ ہے۔

آج سے تقریباً ۳۵-۳۶ سال پہلے ان کو بھٹکل میں ایک دینی تعلیم گاہ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا، جہاں عربی تعلیم دی جائے جو یہاں کی مسلم آبادی کی قدیم زبان تھی یہاں کے بیدار اور سربرآوردہ لوگوں نے ندوۃ العلماء سے (جس سے تعلق خاص طور پر محی الدین منیری صاحب کے ذریعہ قائم ہوا تھا، جو لکھنؤ آئے تھے، اور کچھ دن قیام واستفادہ بھی کیا تھا،) رابطہ قائم کیا، اس وقت کے دارالعلوم کے ذمہ داروں نے اس کی پوری ہمت افزائی اور خیر مقدم کیا ۔

اب اس ادارے نے خاصی ترقی کی ہے، وہ ایک وسیع احاطہ میں قائم ہے، جہاں تعلیم

گاہ کی شاندار عمارت جو دار العلوم ندوۃ العلماء کی مرکزی عمارت کی یاد دلاتی ہے، کتب خانہ، مہمان خانہ اور وسیع و شاندار مسجد ہے، کتب خانہ میں سولہ ہزار کتابیں بتائی جاتی ہیں، جن میں بعض نادر عربی مطبوعات الرسالۃ اور المنار مصر وغیرہ کے مکمل فائل موجود ہیں''۔(۱)

حضرت مولانا کا یہ سفر بھٹکل اور جامعہ کی ترقی پر مسرت کا اظہار وہاں کے قیام میں دل بستگی وغیرہ جس کی تفصیلات کاروان زندگی کے ان ہی صفحات پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، یہ مولانا عبد الباری کے نیابت اہتمام کے دور کی باتیں اور خصوصیات رہیں، اگر چہ وہ اس وقت مہتمم نہیں تھے، لیکن وہ ایک کارگزار مہتمم کی طرح اور معاون مہتمم تھے۔

مدت اہتمام:

منصب اہتمام میں مولانا عبد الباری ندوی مرحوم کے تدریجی تین مراحل ہیں:

(۱) معاونت اہتمام (۲) نیابت اہتمام (۳) اہتمام

چنانچہ آپ ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۵ء جامعہ اسلامیہ کے معاون مہتمم رہے، اور ۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۰ء نائب مہتمم رہے اور آپ کے اس عہدہ کا تذکرہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''کاروان زندگی'' اور دوسرے بعض اہل قلم کے سفر ناموں میں ملتا ہے، یہ سفر نامے ایک مجموعے کی شکل میں مولوی محمد مستقیم محتشم ندوی نے شائع کر دئے ہیں، جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں بحیثیت معاون مہتمم ۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۸۷ء خدمت

---

(۱) ۲۹-۱۹۳۰ء میں اہل بھٹکل کی طرف سے ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں سے انجمن حامی مسلمین بھٹکل کے لئے بطور دینیات کے استاد کے ذی استعداد عالم دین کے مطالبہ پر جناب مولانا عبد الحمید ندوی بارہ بنکوی جو کہ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الباری ندوی کے جونیئر معاصر تھے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت بھی تھے بھیجے گئے، جن کی باشعور محنت کے نتیجہ میں انجمن حامی مسلمین بھٹکل میں زیر تعلیم طلبہ میں فکری، ذہنی انقلاب آ گیا اور شرک وبدعت سے نفرت اور تعلق مع اللہ کا جذبہ پیدا ہوا اس دور کے ان کے شاگردوں میں حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ اور حضرت الحاج محی الدین منیری صاحب مرحوم ہیں، جنہوں نے جامعہ کی داغ بیل ڈالنے کے لئے اپنے دو چار ساتھیوں کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں سوچا اور انجمن کے اپنے قدیم استاد اور محسن مولانا عبد الحمید ندوی کو دوبارہ بھٹکل آ کر جامعہ کے قیام کے لئے دعوت دی۔

انجام دی، اور ۱۵ ارمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۵ ارجون ۱۹۹۵ء کو جامعہ کی طرف سے باضابطہ نائب مہتمم اور سبھی تعلیمی امور میں بااختیار منتخب کیا گیا۔

۳۰ رجمادی الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۲ ردسمبر ۲۰۰۰ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے سرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مشورہ سے شوری نے آپ کو مہتمم نامزد کیا، آپ نے شروع میں معذرت کرنی چاہی لیکن اپنے سرپرست ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ایماء پر اس کو منظوری دی، اس طرح آپ کی مدت اہتمام ۱۶ سال اور معاونت ونیابت کالحاظ کرتے ہوئے ۲۹ سال رہی۔

آپ سے پہلے جامعہ کے ممتاز ارباب اہتمام میں مولانا شہباز احمد اصلاحی مرحوم، مولانا قاضی محمد فاروق ندوی، مولانا فضل الرحمن رحمانی وغیرہ کی خدمات بھی جامعہ کے لئے ناقابل فراموش خدمات رہی تھیں، اور تعاون اہتمام میں مولانا محمد صادق اکرمی ندوی، مولانا ملا اقبال ندوی، مولانا محمد شفیع ملپا قاسمی اور مولانا محمد ایوب ندوی وغیرہ کی خدمات بھی جامعہ کی ترقی اور وسعت میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

مولانا عبدالباری ندوی کی بڑی خصوصیت اور امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے ان سب بزرگوں اور سابق ذمہ داروں کی پوری قدر فرمائی، اوران کی قدردانی کے ساتھ اور نئی نسل کو اپنے ان بزرگوں کی قربانیوں کی تذکیر کے ساتھ اپنی خدمات اس طرح پیش کیں کہ وہ مہتمم نہیں بلکہ جامعہ کے ایک مخلص خادم ہیں، اور طلبہ کے صرف ایک ذمہ دار مدیر ومسئول نہیں بلکہ شفیق باپ اور اساتذہ وکارکنان کے لئے مہربان بھائی سے کم نہیں، اس وصف نے ان کو ایک دلآویز انسان بنادیا تھا۔

منصب اہتمام

''یک در گیر محکم گیر'' کے صحیح مصداق مولانا عبدالباری ندوی علیہ الرحمۃ تھے، جامعہ اسلامیہ سے انکا تعلق زمانہ طالبعلمی سے ہوا، پوری مدت حیات اس تعلق میں فرق نہ آنے

دیا، یہیں سے عالم ہوکر نکلے، پھر جہاں گئے اسی نسبت سے گئے اور پھر یہیں لوٹ کر آئے، پڑھایا، لکھایا، سکھایا اور علمی ترقی کے ساتھ عمل و کردار میں نمایاں ترقی کی یہاں تک کہ اپنے بعض اساتذہ کی موجودگی میں اپنی بعض صفات اور لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی طبیعت سب کے ساتھ یکسانیت مگر فرق مراتب کے خیال کے ساتھ یہاں تک وہ استاد ہونے کے ساتھ معاون مہتمم پھر نائب مہتمم اور پھر مہتمم منتخب ہوئے، اور ان کے دور اہتمام میں جامعہ نے خاصی اور تیز رفتار ترقی کی، کہاں جامعہ سے ندوۃ العلماء ۵۔۶ اور پھر ۱۰۔۱۲ طلباء اعلیٰ تعلیم کے لیے ندوۃ العلماء آیا کرتے تھے، دیکھتے دیکھتے ۳۰-۳۵ اور پھر ۴۰-۴۵، اور ۵۰-۵۵ کی تعداد پہونچ گئی، اور خود جامعہ کے مکاتب میں خاصا اضافہ ہوا اور اپنی وفات سے دو یا تین ماہ قبل بھی ایک مکتب کا افتتاح کیا۔

نظامت کے ساتھ تعاون واشتراک عمل

مولانا محی الدین منیری مرحوم (۱) جو سب سے طویل عرصہ تک ناظم رہے اور وہ ملک و بیرون ملک اپنی خدمات ملی کے باعث خاصے معروف اور اپنی صفات و کمالات سے

---

(۱) انجمن خدام النبی اور پھر ممبئی میں حجاج کرام کی خدمت کی وجہ سے علماء و مشائخ اور قائدین ملت کی نظر میں محبوب و منظور نظر شخصیت مولانا محی الدین منیری کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''وہ جنوبی ہند کے ایک بڑے مستعد فرض شناس اور متوازن ذہن کے کارکن تھے، جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور جامعۃ الصالحات کے ناظم تھے، اور ان کی تاسیس میں بنیادی حصہ تھا، وہ عرصہ تک انجمن خدام النبی ممبئی کے ایک اہم کارکن اور محب محترم خادم ملت الحاج احمد غریب صاحب مرحوم کے معاون ورفیق کار تھے، اور اسی وقت سے ان سے تعارف و تعلق تھا، اسی زمانہ میں وہ لکھنؤ بھی آئے اور کچھ دن ادارہ تعلیمات اسلام میں پڑھے اور استفادہ کیا، پھر راقم کی معیت میں نظام الدین کے مرکز تبلیغ بھی گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ذہنی توازن، حقیقت پسندی اور انتظامی صلاحیت کا جوہر عطا فرمایا تھا، اور ان کی وجہ سے جامعہ اسلامیہ (بھٹکل) ترقی کر رہا تھا، ان کے خسر خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی بھٹکلی ندوہ کے ممتاز طالب علم وصاحب مطالعہ شخصیت اور راقم کے رفیق درس تھے، ان کی کتاب ''عرب و دیار ہند'' ایک اچھی تاریخی و تحقیقی کتاب ہے (کاروان زندگی ج ۶، ص ۲۹) افسوس کہ ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۳۰/ اگست ۱۹۹۶ء کو بھٹکل میں وفات پائی۔

بھٹکل کے بے محبوب ومقبول شخص تھے، مولانا نے بحیثیت مدرس کے ان کو خاصا تعاون دیا، اور ان کے ساتھ ادارے کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔

ان کے بعد جناب ملا حسن صاحب ناظم مقرر ہوئے لیکن وہ اپنی علالت اور پیرانہ سالی سے اس عہدے سے کچھ سالوں کے بعد دست بردار ہو گئے، افسوس کہ ۹۵ سال کی عمر میں انہوں نے مارچ ۲۰۱۶ء کو بھٹکل میں ہی وفات پائی، مولانا نے بحیثیت مدرس اور معاون مہتمم کے ان کا ساتھ دیا۔

پھر جناب ماسٹر شاہ بندری محمد شفیع صاحب (أطال اللہ بقاءہ وزاد لطفہ) ناظم مقرر ہوئے، ان کے ساتھ طویل المدتی خدمات کا بہت اچھا موقع ملا اور دونوں میں تفاہم اور اتحاد فکر وعمل کی ایسی نظیر قائم ہوئی کہ جامعہ کے لئے یہ دور بڑا زریں مانا گیا، اور جو اہم اور بڑے پروگرام اس دور میں جامعہ میں منعقد ہوئے وہ پہلے منعقد ہو سکتے تھے، البتہ توسیعی خطبات ومحاضرات کا سلسلہ پہلے سے قائم تھا اور علماء ومحققین کو دعوت دے کر جامعہ کے احاطہ میں قیام کرا کر جامعہ کو اور شہر والوں کو بھی فائدہ پہونچایا جاتا تھا۔

چند اہم پروگرام، سیمنار، کانفرنسیں، اور عظیم الشان اجلاس تعلیمی

جہاں تک پروگراموں کا تعلق ہے اس سلسلہ میں سب سے اہم اور اپنی معنویت کے اعتبار سے سب سے بڑا اور ایک قدیم وعظیم ملکی وملی حق کی ادائیگی اور لوگوں کی شرکت کے اعتبار سے بے مثال پروگرام سلطان ٹیپو شہید والی ریاست میسور وشہید ملت وملک کے متعلق تھا جس کے اصل داعی ومیزبان جامعہ کے استاذ مولانا محمد الیاس ندوی صاحب زاد اللہ مآثرہ تھے کہ انہوں نے سیرت ٹیپو سلطان شہید لکھ کر ایک عظیم علمی وتاریخی کارنامہ انجام دیا تھا، اور انہوں نے یہ پورا کام مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کی سرپرستی ونگرانی اور رہنمائی میں کیا تھا، اور حضرت کی خوب دعائیں لی تھیں اور یہ ان کے ہی ایماء پر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی، اس پر مبسوط

مقدمہ مؤرخ ہند پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے لکھا تھا، افسوس کہ کتاب کے سامنے آنے سے پہلے انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، البتہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے پوری قدردانی کرتے ہوئے بنگلور میں منعقد رابطہ ادب اسلامی کے عالمی سیمنار میں شرکت کے بعد جو اواخر فروری میں منعقد ہوا تھا، بھٹکل کا تاریخی اور آخری اور اپنی زندگی کا آخری سفر کیا کہ اس کے بعد پھر سفر سے واپسی ہوئی اور وطن پہونچ کر علالت اور پھر اس کے نو ماہ بعد وفات کا سانحہ اور اس طرح سفر آخرت پیش آگیا، کسی بڑے پروگرام، سیمنار میں ہی یہ ان کی آخری شرکت وصدارت تھی۔ (جس میں تبلیغی اجتماع لکھنؤ منعقدہ جون ۱۹۹۹ء کا استثناء ہے کہ اس کی تقریر ان کی آخری تقریر کہی گئی جو کسی بڑے مجمع کے سامنے فرمائی جو مسلمان کی شان امتیازی کے نام سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے شائع ہوگئی ہے۔)

اس پروگرام کے تعلق سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی کتاب ''کاروان زندگی'' میں جو پیش فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو:

''بھٹکل میں دو دن قیام رہا، بھٹکل کے پروگراموں میں سب سے اہم پروگرام ۳؍ مارچ (۱۹۹۹ء) کو بعد عصر ہوا جو ایک جلسۂ عام کی شکل میں تھا، اس میں شرکت کے لئے بھٹکل اور اطراف واکناف سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہوئے تھے، جامعہ اسلامیہ کا پورا میدان شرکت کرنے والوں سے بھر گیا تھا، جلسہ کی صدارت ڈاکٹر علی ملپا صاحب صدر جامعہ اسلامیہ نے کی، اس کے بعد مولوی الیاس ندوی بھٹکلی نے پر اثر انداز میں سپاسنامہ پڑھا، جس میں اہل بھٹکل کے جذبات واحساسات اور اس ناچیز سے تعلق پر بڑے مؤثر انداز میں روشنی ڈالی گئی''۔

''دینی تعلیم کی اشاعت کے سلسلہ میں جامعہ اسلامیہ کی ذمہ داری کو اہمیت دیتے ہوئے میں نے کہا کہ جامعہ اسلامیہ کو جنوبی ہندوستان کے مینارۂ نور کا کردار ادا کرنا چاہئے

جہاں سے علم خالص، فکر صالح، اور عقیدۂ صحیح کی تابناک کرنیں پھوٹ کر آس پاس کے علاقوں کو منور کریں" (کاروان زندگی جلد ہفتم ص:۲۳۸/۲۴۱)

سنہ وار واقعات

۲۰۰۰ء عالمی رابطہ ادب اسلامی کا بین الاقوامی سیمنار بعنوان "بچوں کا ادب اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی" زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی جامعہ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔

۲۰۰۱ء بھٹکل میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ کو ان کی تعطیل میں مدعو کر کے طلبہ بھٹکل کی تربیت کا پروگرام رکھا جاتا ہے، آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اس سال مولانا نیاز احمد ندوی زید مجدہ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام فرمایا۔

۲۰۰۲ء اسی سال بین المدارس الاسلامیۃ والمدارس العصریۃ تقریری مقابلہ ہوا تھا جس کا موضوع سیرت پاک تھا۔

۲۰۰۳ء اسکول ڈے کے نام سے ایک پروگرام منعقد کیا گیا تھا، جس میں بطور خاص برادران وطن کو مدعو کیا گیا تھا، اور اس میں مہمان کے طور پر ضلع انتظامیہ کو دعوت دی گئی تھی اور وہ شریک محفل ہوئے تھے۔

۲۰۰۴ء پورے ضلع کاروار کا تبلیغی اجتماع جامعہ اسلامیہ گراونڈ میں منعقد کیا، ۱۵/ سے ۲۰ ہزار کی تعداد میں لوگ جمع ہوئے۔ اور ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مولانا عبد اللہ عباس ندوی کا سفر بھٹکل اور جامعہ میں قیام ہوا یہ سفر مولانا ابوالحسن علی ندوی اکاڈمی کی عمارت کے افتتاح کے سلسلہ میں ہوا تھا اور مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی مدظلہ رفیق سفر تھے۔

۲۰۰۵ء سرپرست جامعہ محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق حقی صاحب کی وفات

۲۰۰۶ء دارالاقامہ جدید کا افتتاح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت

برکاتہم نے کیا۔

۲۰۰۷ء معروف مصنف مفکر اور داعی مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کا سفر بھٹکل اور جامعہ میں قیام۔

۲۰۰۸ء کنور کیرالا میں منعقد عالمی رابطہ ادب اسلامی کی قرآن کریم کے موضوع پر جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ کے اشتراک وتعاون سے فروری میں کانفرنس کا انعقاد اور بعض مندوبین کی جامعہ آمد اور قیام۔

۲۰۰۹ء آل انڈیا مسلم پرسل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کا جلسہ اور عمومی اجتماع وجلسہ اصلاح معاشرہ اور ضلع کاروار کا تبلیغی اجتماع۔

۲۰۱۰ء جامعہ کے اساتذہ کے جہد مسلسل سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اوپن یونیورسٹی کا سنگ بنیاد۔

۲۰۱۱ء جامعہ کے اساتذہ کے فکر وعمل سے علی پبلک اسکول کا قیام اور حضرت سید احمد شہید کی خدمات اصلاح ودعوت پر کل ہند مسابقہ مضمون نگاری اور جامعہ میں تقسیم انعامات کا جلسہ اور رابطہ ادب اسلامی کا بین الاقوامی سیمنار بعنوان ''اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت''۔

۲۰۱۲ء جامعہ اسلامیہ کا جشن زریں اور بین الاقوامی تعلیمی ودعوتی کانفرنس اور عظیم الشان پیام انسانیت کا اجلاس (مارچ ۱۹/تا۲۲) زیر صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، اور جامعہ کی طرف سے خلیجی ممالک اور سعودی عرب کا تعلیمی ودعوتی سفر اور علماء وعمائدین سے ملاقاتیں، اور مختلف نشستوں میں پرزور خطابات۔

۲۰۱۳ء جنوری کے دوسرے ہفتہ میں بھٹکل کا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا سفر اس میں انہوں نے مولانا عبدالباری ندوی، مولانا محمد صادق اکرمی ندوی اور مولانا ملا محمد اقبال ندوی کو اہل بھٹکل کی اصلاح وترقی کے کام کی طرف توجہ

دلائی اور مادیت کے طوفان کے مقابلہ کے لئے نئی نسل کی ایمانی وروحانی تربیت کے لئے اجازت وخلافت سے سرفراز کیا، اورتزکیۂ وارشاد کے عظیم کام کی ذمہ داری ڈالی۔

۲۰۱۴ء کل ہند سیرت پر تقریر ونعت وپاک، اور کوئز مقابلہ فارغین وفرزندان جامعہ کا اجلاس اور مولانا عبدالباری ندوی کا خصوصی واثر انگیز خطاب۔

۲۰۱۵ء ماہ جنوری میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی کی تشریف آوری جو مولانا کی موجودگی میں آخری تشریف آوری تھی جامعہ میں حضرت مولانا کی تکریم میں کئی پروگرام ہوئے۔

۲۰۱۶ء ماہ جنوری میں سرپرست جامعہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی حیات اوران کے دور اہتمام میں آخری تشریف آوری البتہ بنگلور میں زیر علاج ہونے کی وجہ سے اس موقع پر بھٹکل میں موجود نہیں تھے، ان کے نائبین نے کئی پروگرام جامعہ میں اس مناسبت سے منعقد کئے۔

اوراس کے ایک ماہ بعد ۱۷رفروری ۲۰۱۶ء کوان کی وفات سے ان کے دور اہتمام کی تکمیل ہوئی، اوراس کے چند دن بعد ان کی جگہ ان کے نائب مولانا مقبول احمد ندوی پر شوری نے اہتمام کی ذمہ داری ڈالی، جسے انہوں نے اپنے مرشد ومربی وسرپرست جامعہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی اجازت سے قبول کیا۔

ساتواں باب

دینی ودعوتی جدوجہد

امامت وخطابت

مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ انہیں تکمیل تعلیم کے بعد ان نصائح اور وصایا پر عمل کی اس کے فوراً بعد اپنے مقام ووطن میں ہی توفیق ملی اور ان کے لئے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا تقرر میدان عمل میں خشت اول ثابت ہوا، اور پھر جامع مسجد نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا، اس جامع مسجد کو بھٹکل میں آباد قوم نوائط کی مرکزی مقام کی حیثیت حاصل تھی، اور یہاں سے بلند ہونے والی آواز کبھی صدا بصحرا ثابت ہوتی نہیں دیکھی گئی، اللہ تعالی نے مولانا عبدالباری مرحوم کو جو خوش الحانی، حسن صوت، حسن سیرت حسن صورت، نرمی مزاج واخلاق، علم کے ساتھ حلم اور صفت ربانیت عطا کی تھی، اس وصف نے ان کے اندر مقناطیسیت پیدا کردی تھی، اور لوگ ان کی طرف کھنچتے، اوران سے ملے بغیر مطمئن ومسرور نہ ہوتے، اوران سے مشورہ لئے بغیر کسی اقدام کو مبارک نہ سمجھتے، ان کا بھی یہ حال تھا کہ انہوں نے امامت وخطابت کو صرف ڈیوٹی کی حیثیت نہیں دی اور راتب (تنخواہ دار ملازم) کا بندہ بننا گوارہ نہ کیا، اس کے ذریعہ خدمت خلق اور ارشاد وتربیت کا کام لیا، اور یہ سب کچھ وہ اپنے مصروف ترین اوقات میں سے محض توفیق الٰہی سے وقت نکال کر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی باہر کی بھی جو بڑی شخصیات آتیں ان کے لئے جمعہ کی نماز کے لئے اسی مسجد کا انتخاب کیا جاتا، اور بعد نماز جمعہ ان کا بھی وہ خطاب رکھاتے، کئی بار حضرت مولانا سید ابوالحسن

علی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور دوسرے علماء نے وہاں خطاب کیا، جمعہ مولانا ہی پڑھاتے، اور بڑا بلیغ و فصیح خطبہ دیتے، جس کی تصدیق و تعریف ان کے اساتذۂ کرام نے کی ہے، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفر بھٹکل مئی ۱۹۹۸ء کے ضمن میں کاروان زندگی ۱۴۱/۷ میں لکھا ہے:

''راقم نے جمعہ کی نماز قصبہ کی جامع مسجد میں ادا کی اور وہاں تفصیل و اطمینان کے ساتھ خطاب کیا''۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے مولانا عبد الباری ندوی کے عربی خطبہ کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

''وہ جمعہ میں بھٹکل کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے تھے، اس سے ان کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا تھا کہ عربی پر ان کو عبور تھا، اور عربی میں اچھی طرح خطاب کیا کرتے تھے، اور مناسب ڈھنگ سے مخاطب ہوتے تھے اور جو علمی لیاقت اور خصوصیات ان میں تھیں وہ سب میں نہیں ہوتیں''۔ (تعزیتی خطاب و مضمون)

طرز خطاب

مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی رقمطراز ہیں:

''بھٹکل میں الحمد للہ ایک ہزار کے قریب علماء ہیں، مگر مولانا ان دو تین میں علماء میں سے تھے جن کی معاشرے کو سب سے زیادہ ضرورت تھی اور معاشرے کے بگاڑ کو صراحت سے بیان کرنے میں دور دور تک مولانا کی مثال نہیں تھی، مولانا کی پرتاثیر باتوں اور پر محبت صحبتوں نے کتنوں کو ان کا اسیر بنا دیا تھا، مولانا کی وہ دل دوز تقریریں جو دلوں پر چوٹ کرتیں اور دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتی تھیں بھلائے نہیں بھول سکتیں، مولانا کی جرأت مندانہ تقریروں نے کتنوں کو سوچنے بلکہ زندگی کا نقشہ بدلنے پر مجبور کر دیا تھا، مولانا وقتاً فوقتاً بالخصوص عیدین کے موقعوں پر موت اور میدان حشر کا سماں کھینچ دیتے تھے مولانا زندگی بھر لوگوں کو اللہ سے جوڑتے

رہے، مرتے مرتے بھی اللہ سے جوڑ گئے۔ (یادگار مجلہ طلبہ بھٹکل دار العلوم ندوۃ العلماء)

مولانا ۲۴ سال کی عمر میں ۳۰ راگست ۱۹۸۴ء میں بھٹکل کی عظیم جامع مسجد کے امام وخطیب مقرر ہوئے تھے، یہ وہ تاریخی مسجد ہے جس کے منبر سے بھٹکل کی دلآویز اور متفق علیہ شخصیت خطاب کرتی رہی ہے اور اس کے محراب کی زینت رہی ہے۔ جیسے ان سے قبل مولانا قاضی ابوبکر خطیبی (والد ماجد مولانا محمد غزالی صاحب مقیم مرکز نظام الدین) ان کے بھانجہ اور ولی صفت عالم ومحدث مولانا سید محمد میراں علی اکبرا صاحب مولانا عبدالقادر باشا اکرمی مرحوم (والد ماجد جناب مولانا محمد صادق اکرمی ندوی دام ظلہ) وغیرہ۔ جب مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے یہ جگہ سنبھالی اور اس کو ایک امانت سمجھ کر قبول کیا، تو اس وقت بھٹکل کی بزرگ شخصیت اور قاضی شہر مولانا محمد احمد خطیبی نے کچھ ہدایات ونصائح سے نوازا جس کا انہوں نے تاعمر پورا التزام کیا، اور ان اوصاف وخصوصیات کا پورا خیال رکھا جس کا اس مسند کے حامل علماء وائمہ التزام رکھتے رہے تھے۔

دینی مجالس کا اہتمام:

دینی مجالس کا اہتمام ازراہ تواضع مولانا عبدالباری صاحب نے خود نہیں کیا، البتہ اس کا اہتمام رکھا تھا، بھٹکل کی بزرگ وصاحب نسبت شخصیت حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہم کی خدمت میں حاضری دیں، اور تعلق رکھیں، حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہم کو مولانا سے تعلق خاطر تھا، اور وہ علماء بھٹکل کو نسبت باطنی کے حصول اور تعلق مع اللہ کی طرف متوجہ کرتے تھے، جب مولانا عبدالباری صاحب کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اجازت وخلافت سے سرفراز کیا، تو انہیں بھی بڑی خوشی ہوئی جس کا انہوں نے اپنے خاص اہل تعلق میں اظہار بھی فرمایا، یہ واقعہ ہے کہ ہمیشہ مادیت کو روحانیت نے شکست دی ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم کو اس کی فکر تھی کہ جس طرح مادیت کا سیلاب آرہا ہے، اور خوشحالی کی فکر وسوچ دوسری فکر وسوچ پر غالب آرہی ہے یہ

تاریخ میں قوموں کے تنزل وانحطاط کا سبب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔اس لئے ان کو یہ احساس تھا کہ بھٹکل کو ایک بڑے مصلح کی ضرورت ہے۔اس کی طرف بھٹکل میں رشد وہدایت کی حامل عظیم شخصیت حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب برابر توجہ علماء کو اور اہل دعوت وتبلیغ کو اور اپنے اہل ارادت وبیعت کو دلایا کرتے تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی قدس سرہ نے ہی اپنے آخری سفر بھٹکل میں پوری صراحت اور صاف گوئی سے اس کی طرف توجہ دلائی تھی اور کہا تھا کہ:

''فیشن ونفس پرستی اور ملحدانہ نظریات وافکار کے امنڈتے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی اشد ضرورت ہے،اس نازک ذمہ داری سے جامعہ اسلامیہ جیسے دینی قلعے زمانہ کی نبض پہچانتے ہوئے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں''۔

اور کہا تھا کہ:

''بھٹکل کا معاشرہ خالص اسلامی رنگ میں اس طرح رنگ جانا چاہئے کہ دوسروں کے لئے نمونہ ثابت ہو،اس کے لئے عقیدہ کی پختگی،عمل کی استواری فرائض اور نوافل کی سخت پابندی کی ضرورت ہے،توحید خالص کے ستون کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے شرک کے تمام مظاہر سے اپنا دامن بچانے کی فکر کے ساتھ اسلامی اخلاق اور معاملات کے اہتمام کی ضرورت ہے''۔(۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے مولانا عبد الباری ندوی کو اجازت وخلافت سے سرفراز کرتے ہوئے انہیں اپنی نیک اور اصلاحی مجلس وصحبت سے لوگوں کو مستفید کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی،لیکن مشغولیت سے اس پر عمل عمل میں تھوڑی دیر لگ رہی تھی،اور تواضع میں انہیں خود یہ کام کرنے میں ہچکچاہٹ تھی،لیکن چند عزیز طلبہ نے ان سے ان کے مرشد کی تاکید کا ذکر کر کے اس پر آمادہ کر لیا،چنانچہ پہلے اپنے مکان کے ایک حصہ

---

(۱) کاروان زندگی سفر بھٹکل ومنگلور جلد ہفتم ص:۲۳۸-۲۴۱

میں ایک کتاب کی تعلیم کے ذریعہ مجلس شروع کر دی جس کا آغاز ایک رمضان سے ہوا، چند مخصوص نیاز مند حاذق حسن منیری، محمد صیام، عبداللہ شریح اور عبدالرحمٰن خلیفہ ندوی وغیرہ نے پابندی کی اور لوگ بڑھنے لگے، بعد میں محلّہ کی مسجد مسجد معاذ بن جبلؓ میں اور پھر جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں عصر بعد کچھ اساتذۂ جامعہ اور کچھ طالب صادق طلب کے ساتھ دینی تعلیم وتربیت کے لئے کتابی تعلیم کے ساتھ بیٹھ جاتے، توقع تھی کہ اب اس کا دائرہ بڑھے گا، اور اس کی برکات پھیلیں گی، کہ ان کا وقت موعود آ گیا اور سلسلہ رک گیا، امید ہے کہ اب ان کے جانشین اس کو آگے بڑھائیں گے اس لئے کہ خیر کا کام شروع ہونے کے بعد رکتا نہیں، اور اخلاص کی گاڑی چلتی رہتی ہے، یہ وہ آغاز ہے جس کی انتہا نہیں۔

طلبہ کو عصر بعد عام طور پر جامعہ کی مسجد میں بٹھا کر تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا کام کرتے اور کہتے جم کر پڑھو اور ادھر ادھر نہ دیکھو، اپنے مقصد میں لگے رہو، پھر وہ وقت آئے گا کہ لاکھوں کروڑوں روپئے اور ایک سی ایک کاریں تمہارے قدموں جوتیوں کے سامنے ہوں گی، اس سلسلہ میں وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال دیتے کہ حضرت مولانا نے دنیا سے بے پرواہ ہو کر اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور دین کی تبلیغ واشاعت کا کام کیا چنانچہ بادشاہوں، امراء حاکموں ان سب نے ان کو سر پر بٹھایا، اور ان کے لئے اپنی پلکیں بچھائیں، اور ان سے نصیحت لی۔

مولانا کا بڑا وصف استغناء تھا، اور وہ اپنے ہم نشینوں اور طلبہ میں اس وصف کو دیکھنا چاہتے تھے، وہ ایک طرف اپنے خطبات ومواعظ وملفوظات اور دروس سے رنگ فروش اور مجالس وصحبت سے رنگ ساز تھے۔

سلسلۂ درس قرآن

مولانا عبدالباری ندوی کے درس قرآن کی مقبولیت کا اندازہ کسی حد تک اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے درس قرآن کریم کی مقبولیت کا ذکر عالم اسلام کی اپنے عہد کی

سب سے بڑی شخصیت کے طور پر پہچانی جانے والی نادرۂ روزگار ہستی جن کا خاص موضوع خود قرآن مجید تھا یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب کاروان زندگی میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''۴؍مارچ (۱۹۹۹ء) کو بعد عصر جامع مسجد بھٹکل میں درس قرآن کے ختم میں شرکت کے بعد منگلور واپسی ہوئی اس درس قرآن کا سلسلہ ایک ندوی فاضل اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے نائب مہتمم مولوی عبدالباری ندوی نے شروع کیا ہے جو بڑا مقبول ہے''۔(۱)

مولانا عبدالباری ندوی کے درس کی خصوصیت وامتیاز اصلاح عقائد، رد شرک وبدعت، دعوت توحید وسنت، سماج میں پھیلی خرابیوں کی نشاندہی اور ان سے بچنے کی تدابیر مادیت اور مغربی تہذیب پر تنقید اور روحانیت واسلامی تہذیب کو اختیار کرنے کی ترغیب، تعلق مع اللہ اور تذکیر بالآخرت پر زور اور خواتین کی زندگی میں قناعت، حیا، پردہ پوشی، اور علم کی خصوصی ترغیب وتحریض اور اولاد کی تربیت میں خواتین کے کردار وعمل کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ سادہ اور عام فہم انداز میں قرآنی تعلیمات کے ذریعہ ایک بہتر سے بہتر سماج کی تشکیل کا کام تھا یہاں تک کہ انہوں نے خواتین کا لحاظ کرتے ہوئے مقامی وقومی زبان نوائطی زبان میں بھی ایک مکمل قرآن پاک کا درس دیا، اور دو یا تین درس قرآن اردو زبان میں عوام کے لئے دیئے، جامع مسجد بھٹکل سے بلند ہونے والی اس قرآنی صدا نے لوگوں میں بشمول خواتین واطفال ایک بڑا دینی واصلاحی انقلاب پیدا کیا جو بھٹکل کے ماحول میں علم پروری، دین پسندی، وغیرہ دوسری خوبیوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

درس کی عمومیت

مولانا کے درس کی خاص بات یہ تھی کہ وہ صرف کسی خاص حلقہ کو مخاطب بنا کر درس نہ دیتے بلکہ ایسا انداز اختیار کرتے تھے کہ مسلمانوں سے بھی آگے غیر مسلم بھی سن کر جس کے

(کاروان زندگی جلد ہفتم ص ۲۳۸ ، ۲۴۱)

مختلف ذرائع ہو سکتے ہیں فائدہ اٹھائیں ،اور تاجر طبقہ، تعلیم یافتہ طبقہ، کالج کے طلبہ،اور مختلف طبقات کے لوگ استفادہ کرسکیں اور کوئی محرومی کا شکوہ نہ کرے۔

درس قرآن کا رواج

بھٹکل اوراس کے اطراف میں درس قرآن کو مساجد اور دوسرے مقامات پر روز اور ہفتہ واری جو رواج ملا اس میں بھی مولانا عبدالباری ندوی کی خدمات اور ترغیب وتحریض ناقابل فراموش ہیں ،خود وہ دو قرآن مجید مکمل کر کے تیسرے کے تین حصوں میں دو حصے پورے کر چکے تھے اور یہ سلسلہ جاری تھا کہ وہ بستر علالت پر ہو جانے کے باعث خود اس سلسلہ کو دراز نہ کر سکے اوراب ان کے جامع مسجد میں جانشین مولانا عبدالعلیم اسمٰعیل خطیب ندوی آگے بڑھا رہے ہیں اور انہی کے طریقہ پر چلتے ہوئے لوگوں کو قرآن مجید سے جوڑنے کا کام کررہے ہیں، اسی طرح درس قرآن کا بھٹکل اوراس کے اطراف میں مولانا مرحوم کی فکر مندی سے فروغ ہورہا تھا اوران کے تلامذہ مختلف مقامات پر یہ خدمت قرآنی انجام دے رہے ہیں چنانچہ دوسرے شہروں میں بھی اس کا آغاز ہوا۔

اصلاح معاشرہ اور تبلیغ کا کام

مولانا عبدالباری مرحوم کا تبلیغ سے تعلق عملی اور نظریاتی دونوں اعتبار سے تھا،اور وہ اس میں حتی الامکان معاون ہوتے ،ان کے دوراہتمام میں جامعہ کے احاطہ میں دو بڑے ضلعی جوڑ بھی ہوئے جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی ،اس کے علاوہ بھٹکل شہر میں جو بڑے تبلیغی جوڑ ہوئے اس کو کامیاب بنانے میں بھی انہوں نے پورا حصہ لیا ،کالج کے طلبہ جوان سے قریب ہوئے وہ پھران کے مشورہ سے تبلیغ میں وقت لگا کر اچھے دیندار بن جاتے ایسے دیندار کہ جو دوسروں کو بھی دیندار بنائیں اور ان میں بعض خصوصی درجات کے ذریعہ عالم وفاضل بھی ہوئے ،مولانا ایسے تبلیغی سفر بھی کرتے کہ رات کو گھر واپس آجائیں اس لئے کہ والدین کی خدمت ان کا وہ خاص عمل تھا جس میں تخلف نہیں کرنا چاہتے

تھے اور رات کو والدین ان کے منتظر رہتے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء نے ایک بڑی کانفرنس اصلاح معاشرہ کے عنوان پر ۱۹۹۴ء میں بلائی تھی، جس میں ملک بھر کے دینی مدارس، دینی تحریکات اور جماعتوں وجمعیات کے نمائندے اور ممتاز اہل علم ودعوت شخصیات جمع ہوئیں تھیں، اس موقع پر یہ طے ہوا تھا کہ سب لوگ اپنے علاقوں میں اس کام کو اوڑھیں گے، اس سے قبل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے جے پور کے اجلاس میں اس کی طرف بھی اہل درد وفکر کو توجہ دلائی تھی اور بطور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ندوۃ العلماء سے متعلق وملحق اداروں کو خصوصی مکتوب کے ذریعہ اس کام کو اختیار کرنے کو کہا تھا، ندوۃ العلماء کے اصلاح معاشرہ کانفرنس میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے اس کے ناظم مولانا محی الدین منیری مرحوم اور اس وقت کے معاون مہتمم مولانا عبدالباری ندوی نے ایک وفد کے ساتھ شرکت فرمائی، واپس جا کر جماعۃ المسلمین بھٹکل کی طرف سے قائم کردہ شعبہ تبلیغ کے نام سے کام شروع کیا گیا، اور اس کے کنوینر مولانا عبدالباری ندوی مقرر کیئے گئے، انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ یہ کام ہوتا، اور بھٹکل واطراف بھٹکل میں اس کے ذریعہ بڑا کام ہوا، اور جہاں تک شادیوں کا تعلق ہے وہ شادیاں جس میں اہل ثروت زیادہ نمائش سے کام لیتے نظر آتے، اور اسراف کی گرم بازاری دکھائی دیتی تو علماء ان محفلوں اور تقریبات سے دور رہتے اور اپنے قول وعمل سے نکیر بھی کرتے اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ان اہل ثروت کا جامعہ کو تعاون ملے گا یا نہیں، علماء نے مادی فوائد سے بالکل مستغنی ہوکر بہت سی رسوم اور اسراف کی چیزوں کو اپنے کردار سے ختم کیا، ان علماء میں مولانا عبدالباری ندوی پیش پیش تھے یہاں تک کہ اس تعلیمی نظام کے خلاف بھی آواز اٹھائی جو مخلوط اور دینی اقدار سے دور کرنے والی تھی مولانا نے اپنے مواعظ وخطبات اور نجی ملاقاتوں اور اجتماعی انداز سے بھی حکیمانہ اسلوب میں صحیح دینی مزاج کو پیش کیا۔

خواتین میں دین کی باتیں

عموماً مستورات کو دین کی باتوں سے محروم رکھا جاتا ہے، جبکہ خواتین ہی نئی نسل کا پہلا مکتب قرار دی گئی ہیں، ان کی گود پہلی تربیت گاہ اور بنیادی تعلیم گاہ ہوتی ہے، جسے ٹریننگ سنٹر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، مولانا عبدالباری مرحوم کا طرز کلام وتخاطب ایسا دل نشیں، سحر انگیز، اثر خیز ہوتا تھا کہ دینی اجتماعات میں خواتین کا شوق شرکت مولانا کے نام پر زیادہ بڑھ جاتا ہے ،اور اجتماع ہال سب پر ہوجاتے ،مولانا ارشاد علی افریقہ ندوی نے مولانا کے درس قرآن کے تعلق سے لکھا ہے (ایک بار) چند مہینوں کے لئے درس قرآن کا سلسلہ بیرونی اسپیکر سے بند کردیا گیا تھا، بازار کے ہندو بھائیوں نے مولانا عبدالعظیم صاحب (قاضیا ندوی نائب قاضی جماعت المسلمین بھٹکل) سے پوچھا کہ ''سکنات بیان آواز ائیکوا پنا ہیں''۔ (یعنی صبح مولانا کے بیان کی آواز نہیں آرہی ہے؟) اس کی اطلاع سابق قاضی جماعت المسلمین مولانا محمد احمد خطیبیؒ کو دی گئی تو باضابطہ میٹنگ طلب کرکے بیرونی اسپیکر پر درس کا سلسلہ جاری ہوا، اسی طرح خواتین میں درس قرآن کا خصوصی اہتمام تھا۔(۱)

مولانا کے ایک دوسرے شاگرد مولانا عبدالحسیب منا ندوی صدر مدرس مکتب جامعہ اسلامیہ چوک بازار بھٹکل اپنا تأثر و مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ:

''مولانا اپنی جادو بیانی اور نرالے طریقۂ تقریر کی بنا پر خواتین میں بہت ہی زیادہ مقبول ومحبوب تھے، اس بات کا راقم السطور عینی شاہد ہے کہ جس علاقہ میں خواتین کے لئے مولانا کا بیان رکھا جاتا تو مولانا کی ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود اس علاقہ کی تقریباً تمام خواتین جمع ہوجاتیں بلکہ دوسرے علاقہ کی خواتین بھی کثیر تعداد میں حاضر ہوجایا کرتی تھیں، جس ہال میں مولانا کا بیان رکھا جاتا وہ ناکافی ہوجایا کرتا، خواتین میں مولانا کے بیانات کو سننے کے شوق کا یہ عالم تھا کہ مولانا کے جمعہ کے بیان کو سننے کے لئے شہر کے دور دراز علاقوں سے

---

(۱) نقوش طیبات، ص:۱۴۱

سینکڑوں خواتین جمعہ کے وقت جامع مسجد کے اطراف کے مکانات میں جمع رہتی تھیں ،مولانا کی مستورات میں یہی مقبولیت مولانا کے جنازہ کے وقت بھی دیکھی گئی کہ سینکڑوں کی تعداد میں خواتین اپنے محسن عالم دین کے جنازہ کا نظارہ کرنے کے لئے جامع مسجد کے اطراف کے مکانات میں حاضر ہوگئی تھیں"۔(۱)

مولانا سے عقیدت وتعلق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی وفات پر خواتین نے نومولود بچوں کے نام مولانا عبدالباری مرحوم کے نام پر رکھے،اور یہ سلسلہ جاری ہے،اوران کی بیماری کی خبر سے سب پر اتنا اثر پڑا تھا کہ ان کی صحت یابی کے لئے دعائیں،نمازیں،روزے،صدقات وغیرہ کا غیر معمولی اہتمام مستورات نے بھی کیا۔

عام دینی مشغولیت:

مولانا عبدالعلیم قاسمی مدیر نقش نوائط مولانا عبدالباری مرحوم کے معمولات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مولانا عبدالباری مرحوم کی عجیب زندگی تھی ، میں اپنے کو زیادہ مصروف سمجھتا تھا ،لیکن میری مصروفیت ایک افسانہ اور مولانا عبدالباری کی مصروفیت ایک حقیقت تھی، میرا ان سے رمضان میں زیادہ سابقہ پڑتا تھا،مولانا کا وقت مسجد ہی میں زیادہ گزرتا تھا،صبح تفسیر کے بعد"ایک منٹ کا مدرسہ" کے نام سے بہت قیمتی اور مفید باتیں بتاتے تھے،قرآن کا بہت زیادہ دور کرتے تھے،جامعہ کے لئے چندہ کی بڑی فکر کرتے۔

مولانا کے عام معمولات کا حال یہ تھا کہ پورے دن اپنے فرض منصبی کے علاوہ اکثر تبلیغ کے ساتھیوں کے ساتھ جس گھر میں شادی ہوتی وہاں جا کر ان کو نصیحت کرتے ،شہر میں جس گھر یا دکان،آفس وغیرہ کا افتتاح ہوتا اکثر مولانا اس میں شرکت کرتے ،اور کسی مسجد کا افتتاح مولانا کے بغیر ہوتا ہی نہیں تھا،اطراف کے پروگراموں میں بھی تشریف لے جاتے،

---

(۱) نقوش طیبات،ص:۲۱۳-۲۱۴

اور رات دیر گئے واپس آتے، اس کے علاوہ مولانا ۴۰ سال سے اپنے معمولات اس طرح کرتے رہے، ضروریات سے فارغ ہوکر تہجد ادا کرتے اور جب اذان ہوتی تو جامع مسجد کے لئے نکل جاتے، اور والہانہ انداز میں نماز فجر پڑھاتے، مقتدیوں پر ایک وجد طاری ہوجاتا اور محسوس ہوتا جیسے حرم شریف پہونچ گئے ہوں، چوں کہ علماء آیت کا مفہوم بھی سمجھتے اس لئے ان کی کیفیت الگ ہوتی، سلام کے بعد ذکر واذکار کے بعد طویل دعا کا معمول بھی رکھا، پھر ۱۰-۱۵ منٹ تک تفسیر کا درس دیتے، جو لاؤڈ اسپیکر پر ہوتا تھا، اور گھروں کی خواتین اس سے اپنے گھروں میں رہتے ہوئے مستفید ہوتیں، سردی ہو گرمی، یا برسات سبھی موسم میں معمول میں فرق نہ آنے دیتے، اس کے بعد اشراق تک اسکول اور کالج کے طلبہ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے، اور ان کا قرآن سن کر تصحیح کرتے، اور خود تلاوت کرکے ان کو سناتے، پھر جامع مسجد سے اپنے گھر کے لئے روانہ ہوتے، اور گھر کا سامان دودھ وغیرہ خود لے کر جاتے، اور پھر مدرسہ کے کاموں میں مشغول ہوجاتے، ایسی عجیب زندگی ان کی تھی، میں اپنے کو زیادہ مصروف سمجھتا تھا لیکن میری مصروفیت کچھ نہ تھی، مصروفیت تو ان کی تھی''۔(۱)

---

(۱) از اداریہ نقش نوائط مولانا عبدالعلیم قاسمی، ترجمہ عبداللہ شریح ندوی)

آٹھواں باب

ارشاد وربانیت اور نسبت واجازت

مقام ارشاد

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مناسبت سے لکھا ہے کہ:

''خدارسیدہ درویشوں اور مقبول بارگاہ ہستیوں کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں کہ وہ شیخ طریقت یا بڑے عالم وفاضل ہی ہوں، لباس دنیا کے کتنے درویش صفت اور اولیاء اللہ ہیں اور قرآن مجید نے تو یہ کہکر حجت ہی تمام کردی ہے کہ:

"أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ، اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ "(سورہ یونس:۶۲)

[ترجمہ: یادرکھو اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان والے اور تقویٰ والے ہیں۔] (پرانے چراغ حصہ اول ص۲۷۶ طبع جدید)

مولانا عبدالباری صاحب اس تقویٰ وللہیت اور ایمانی وربانی خصوصیات کے ساتھ اپنی مدت حیات گزاری جو اللہ تعالی نے ان کے لئے مقرر کی تھی، اور عالمانہ وقار کو برقرار رکھتے ہوئے داعیانہ کردار کو کبھی کمزور نہ ہونے دیا، یہاں تک کہ اپنے مرض وفات میں بھی خود تلقین کلمہ کا عمل انجام دیتے رہے، اور دوسری طرف اپنے اخلاق ومحبت سے غیر مسلموں کو اسلام سے مانوس کرنے کا کام بھی کیا، اور ایک مرد حق آگاہ کی طرح زندگی کے آخری

لمحات ایسے گزارے جو کبار اولیاء اللہ کی شان رہی ہے، مسکراتے چہرہ کے ساتھ فرشتوں کا استقبال کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا، اور اس طرح شوق ورغبت کے ساتھ اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضری دی کہ یہ حدیث ان پر پوری صادق آتی نظر آئی:

"مَنْ أَحبَّ لِقَآءِ اللّٰهِ أَحّبَّ اللّٰهُ لِقَاءَ هٗ "(صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۱۴۲)

[ترجمہ: جسے اللہ سے ملاقات کا شوق ہوتا ہے اللہ کو اس کی لقا کا شوق ہوتا ہے]۔

اللہ کی ذات پر یقین واعتماد، اور عمل میں اخلاص وللّٰہیت، اور توکل اور راحت ونعمت کی حالت میں شکر اور تکلیف وپریشانی میں صبر یہ وہ اعمال قلوب ہیں جن سے اللہ کا ایک بندہ اپنے ایمان ومعرفت باللہ میں وہ ترقی کرتا ہے، جس کے لئے اس کو جوارح کے مجاہدات وریاضات سے نہیں گزرنا پڑتا، حالانکہ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے اپنی جوانی کے دن دین پر عمل، سنت کی اتباع، نمازوں میں فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ونوافل اور تہجد واوابین وغیرہ کے سفر ومرض سبھی حالتوں میں اہتمام، کسب حلال وطیب کے لحاظ، سلوک مع الناس میں "خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ "(۱) کی نبوی ہدایت پر حتی الامکان عمل، اور اپنے لئے عزیمت اور دوسروں کے لئے رخصت واعتذار کی رعایت، اوراد واذکار وادعیہ کی مواظبت ومداومت اور اصلاح ودعوت کے عمل کے ساتھ اس طرح گزارے تھے، کہ جس طرح زمانہ طالب علمی میں بچ بچا کر صحیح سالم نکل گئے تھے، کار تعلیم وتبلیغ وکار اصلاح ودعوت میں بھی اس طرح بچ بچا کر راہی سفر آخرت ہوئے کہ اس حدیث پاک کا مصداق قرار پائے کہ:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ "(۲)

[ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان، ہاتھ کی ایذا سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔]

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (۳)

[ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور دنیا سے اس حال میں جانا کہ پورے مسلمان ہو]

(۱) مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۱۱۲ (۲) صحیح بخاری کتاب الایمان) (۳) سورہ آل عمران: ۱۰۲

تقرب الی اللہ کے اعمال وافعال، کامل مسلمان بننے کے احوال وکیفیات انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں اپنا اثر دکھاتے ہیں، اور اللہ کی ربوبیت پر ایمان ویقین اس کے مراتب کو ایسا بلند کرتا ہے کہ فرشتے اس کے حضور حاضری دیتے اور اس کی اطمینان دلاتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے،

"إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَآئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ"

[ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمتے ہیں ان پر فرشتے اترتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ نہ خوف کرو نہ حزن کرو اور جنت کی بشارت لو جس کا تم سے وعدہ ہے] (سورہ حم سجدہ آیت: ۳۰)

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ایسا استقبال ہوتا ہے کہ

"يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (سورۃ الفجر آخری آیت)

[ترجمہ: اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف (خوشی خوشی) واپس آجاؤ، اس حال میں کہ تم اس سے راضی اور وہ تم سے راضی پھر شامل ہو جاؤ میرے نیک بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ]

البتہ یہ ایمان بالربوبیۃ انسانی زندگی کے مختلف احوال انفرادی واجتماعی میں ہوتا ہے جس کا اللہ تعالی نے سبھی انسانوں سے مطالبہ کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً"۔ الخ (سورہ نساء آیت ا)

[ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کا پاس ولحاظ رکھو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس ایک جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے خوب مرد اور عورتیں پھیلا دیے]

یہ ایمان ویقین سب سے زیادہ ایک انسان کو آخری ایام حیات میں سود مند اور موجب ترقیات ظاہری وباطنی ہوتا ہے اور جس طرح ایک انسان کے لئے آغاز اعمال میں استحضار نیت اور عمل کو بلند کرنے میں کیفیت احسان اپنا مقام ودرجہ رکھتا ہے، اسی طرح استقامت اور عمل میں مواظبت ومداومت جن کے عمل کی قبولیت میں بڑا حصہ رہتا ہے انسان دوسرے صالح اعمال میں اپنی حصہ داری کے ساتھ کسی ایک ذریعہ خدمت خلق اور اعمال عبادت میں کسی ایک سے خصوصی اشتغال کو اختیار کر کے مقام ولایت پر فائز ہو جاتا ہے، اور پھر اس کا حال وہی ہوتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ارشاد ہے،

"مَنْ عَادَیَ لِی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" (صحیح البخاری باب التواضع)

جو میرے کسی ولی سے معادات یعنی دشمنی رکھے گا اس سے میرا اعلان جنگ ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقرب الی اللہ کے مختلف اعمال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے، کہ "ان میں سے کوئی ایک چیز بھی استحضار واہتمام کے ساتھ تقرب کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے وسائل مختلف ہو سکتے ہیں لیکن مقصود ایک ہے۔" (۱)

ان اعمال کی وضاحت کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

"اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق ومعرفت، ایمان حقیقی اور یقین، اخلاص واستقامت، تزکیۂ باطن اور تہذیب اخلاق، کامل اتباع سنت اور فنافی الشریعت وہ حقیقی مقاصد ہیں، جن کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، محققین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک وسیلہ میں منحصر نہیں مانتے بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے (اور کچھ غلط نہیں کہا) کہ

"طُرُقُ الْوُصُوْلِ إِلَی اللّٰهِ بِعَدَدِ أَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ"

"اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے طریقے تعداد میں انسانوں کی سانسوں کے برابر ہیں۔"

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت، جلد دوم ص ۱۶۱

ابتدا میں ان مقاصد کے حصول کے لئے سب سے مؤثر اور طاقتور ذریعہ صحبت نبوی تھی جس کی کیمیا اثری عالم آشکارا ہے، اس نعمت سے محرومی کے بعد اطبائے امت اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل تجویز کیے، آخر میں مختلف اسباب کی بنا پر صحبت اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا، جس کا ایک منقح اور مدون طریقہ وہ نظام ہے جو تصوف وسلوک کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل پر منحصر نہیں، اجتباء وموہبت کے علاوہ ایمان واحتساب، محاسبہ نفس سنتوں کا تتبع، کتب حدیث وشمائل سے محبت وعظمت کے ساتھ اشتغال، کثرتِ نوافل ودعاء، کثرت درود، نیت واحتساب کے ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت وتبلیغ، ان میں سے کوئی بھی ایک چیز بھی استحضار واہتمام کے ساتھ تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے''۔(۱)

جامع فضائل ہستی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تقرب الی اللہ کے جن ذرائع ووسائل کا ذکر کیا ہے جو پچھلے صفحات میں قارئین کی نظر سے گزرے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مولانا عبدالباری ندوی کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان سب دینی باتوں اور کاموں کو استحضار نیت اور اہتمام کے ساتھ اختیار کیا تھا، ان کو شروع سے حدیث شریف سے اشتغال کا موقع ملا، یہاں تک کہ صحیح بخاری شریف ادھر کئی سالوں سے وہ پڑھا رہے تھے۔

دوسری طرف درس قرآن کا سلسلہ دو تین دہائی سے چل رہا تھا، اور کئی قرآن مجید انہوں نے اس سلسلہ میں مکمل کیے، اور اس کی ایک تقریب میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ سنتوں میں انہیں ظاہری وباطنی دونوں سنتوں کا اہتمام تھا، عموماً سماجی

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت، جلد دوم ص ۱۶۱

وعائلی زندگی میں خلاف مزاج باتوں سے طبیعت کبیدہ خاطر ہوجاتی ہے اور یہ بات کبھی کبھی طیش کا سبب بن جاتی ہے، لیکن اس حال میں وہ اس طرح رہتے تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

یہ صبر وتحمل وہ مقام ہے جس سے ایک مومن برگزیدہ مومن بن جاتا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"اَلْمُؤمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی أَذَاھُمْ خَیْرٌ مِنَ الْمُؤمِنِ الَّذِی لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی أَذَاھُمْ"۔

(ابن ماجہ، کتاب الفتن باب الصبر علی البلاء، رقم ۴۰۳۲)

[ترجمہ: وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کے متعلق برداشت سے کام لیتا ہے، وہ بہتر ہے اس مومن سے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور وہ لوگوں سے تکلیفوں پر صبر نہیں کرپاتا ہے]

مولانا مرحوم نے اجتماعی وسماجی زندگی اختیار کی، استاذ ہونے کی حیثیت سے طلبہ واساتذہ سے اور پھر مہتمم ہوجانے سے طلبہ واساتذہ، اور دیگر کارکنان ادارہ سے ذمہ دارانہ تعلق، اور ان کے ساتھ نشست وبرخاست، جامع مسجد کے امام وخطیب کی حیثیت سے عوامی زندگی سے ربط بڑھا۔ اور لوگوں کے مسائل وحالات کو سننے اور ان کا حل پیش کرنے کا زیادہ موقع ملا، جب بھی کوئی طالب وسائل آتا تو اپنی کسی مشغولیت کو اس کے لئے مانع نہیں بننے دیا، اس کے علاوہ مغرب سے عشاء کے درمیان کا وقت مسجد میں گذارتے کہ جس کو جو پوچھنا ہو وہ بہ آسانی اور بے تکلف اپنی یہ ضرورت پوری کرلے، مسئلہ کا صحیح حل پیش کرنے اور نرمی سے پیش آنے سے ان کا دائرۂ محبت وعقیدت بڑھتا گیا، اور ان کا یہ خیر ان مقامی افراد کے ذریعہ دوسرے ممالک میں رہنے والوں میں بھی متعدی ہونے لگا تھا، جہاں بسنے والے ان کے جمعہ کے خطبات ومواعظ سے جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ مستفید ہونے لگے، وہ اپنے خطبات میں بہت اونچی باتیں کرنے کے بجائے عام زندگی سے متعلق ایسی مؤثر گفتگو کرتے جس سے وہ لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے تھے، ان کے مواعظ وخطبات میں خواتین ومستورات کے لئے بھی بڑی رہنمائی کا سامان ہوتا تھا، ایک طرف وہ اچھی زندگی گزارنے کا لائحہ عمل

دیتے دوسری طرف اس مایوسی کو دور کرتے جو عموماً زندگی کے نشیب وفراز میں کبھی اپنی غلطیوں سے اور کبھی حالات کی ناسازگاری سے پیدا ہو جاتی ہے۔

نسبت واجازت

تربیت وسلوک واحسان انسانی زندگی کا وہ اونچا مرحلہ ومقام ہے جس کے حصول کے لئے انسان مراحل علم وعمل سے گذر کر عبادت کی اس کیفیت کو حاصل کرتا ہے جس میں اخلاص وایمان ویقین مدارج کے ساتھ سنتوں کا کامل تتبع ہوتا ہے، اور اس کا ظاہر وباطن نور ایمان و احسان سے منور ہو جاتا ہے، ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' (۱) سے عمل کا آغاز اور ''أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ'' (۲) کی کیفیت سے سرشار ولذت یاب ہو کر دنیا میں رہتے ہوئے جنت کا مزہ، اور عین الیقین سے حق الیقین کا حال پاتا ہے، اخلاص کے ساتھ ذکر وعبادت اور ربوبیت پر یقین واعتماد انسان کی معرفت کے اونچے درجہ کے حصول کو آسان ضرور بنا دیتا ہے البتہ خلق کی ہدایت اور اس کی ابدی راحت کی کوشش اور فکر اس کے مدارج کو زیادہ تیزی سے طے کراتی ہے اور یہ ولایت انبیاء ہے یعنی دعوت کا کام ایمان واحتساب کے ساتھ، اسی کو مولانا سید محمد الحسنی مصنف سیرت مولانا محمد علی مونگیری کے الفاظ میں یوں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ:

''زندگی کا اصل جوہر اور تعلیم کا اصل مقصد وہ روحانی تعلق ہے جو انسان کو خدا سے ہونا چاہئے، یہ تعلق ہے محبت کا، خوف کا اور امید کا، اگر یہ تینوں چیزیں نہ ہوں تو پھر یہ ساری ذہانت اور خطابت، ادب وبلاغت، فلسفہ، اور علم کلام، ذہنی عیاشی، اور فریب نظر کے سوا کچھ نہیں''۔

بھٹکل کے مشائخ

بھٹکل جہاں عرب کے تاجر مسلمان آ کر آباد ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی دینی خصوصیات کو اس وقت قضا کے نظام اور تعلیم قرآن ودین کے ذریعہ گھر اور گھر سے باہر قائم رکھا، اور مسجد کے نظام کو ان کے مردوں نے مضبوطی سے پکڑا تھا، جن میں حوصلہ زیادہ بلند اور معرفت

(۱) صحیح بخاری حدیث نمبر ا (۲) صحیح مسلم حدیث نمبر ا

حق کی پیاس زیادہ تھی انہوں نے صاحب سلسلہ مشائخ کا دامن بھی پکڑا، سلسلہ چشتیہ اشرفیہ میں بھی اجازت یافتہ بزرگ کا پتہ چلتا ہے، سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخیں نظامیہ وصابریہ نکلیں، نظامیہ کی کئی شاخیں ہوئیں جن میں ایک سراجیہ ہے جو شیخ سراج الدین اودھی لکھنو کی طرف منسوب ہے جن کے خلیفہ شیخ علاء الحق نے پنڈوہ بنگالہ میں خانقاہ قائم کی جو رشد وہدایت کا مرکز بنی اس خانقاہ سے شیخ نور الحق نور قطب عالم اور حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نکلے، شیخ نور الحق نور قطب عالم کے سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی حضرت شاہ عبد العزیز، حضرت سید احمد شہید اور ان کے توسط سے حضرت شاہ عبد الرحیم ولایتی، میاں جی نور محمد جھنجھانوی اور ان کے توسط سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہوئے، جن کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دار العلوم دیو بند، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی سابق شیخ الحدیث وسابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء اور دوسرے برگزیدہ افراد ہیں۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی (مدفون کچھوچھا امبیڈکر نگر یوپی) بڑے عالی مرتبت شیخ اور مرجع خلائق بزرگ گزرے ہیں، ان کے سلسلہ کی ایک شاخ کا فیض بھٹکل بھی پہنچا، اور حضرت مولانا سید محمد میراں محدث بھٹکلی اس سلسلہ کی نسبت کے حامل ہوئے، جنہیں سلسلہ قادریہ اور سلسلۂ چشتیہ میں خانوادہ اشرفی کے عالی مرتبت شیخ شاہ ابو احمد محمد علی اشرفی جیلانی سے اور مزید سلسلۂ قادریہ میں حضرت حبیب اللہ مدراسی نائطی سے اجازت حاصل تھی مولانا سید میران بڑے مرد درویش عالم باصفا، بڑے صاحب ورع وتقوی عالم ومحدث تھے، ایک لمبی مدت امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، زیادہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے ہیں اور یاد خدا میں مشغول رہتے تھے۔(۱)

---

(۱) ان کے پوتوں میں مولوی سید سلیم جامعی (مقیم مسقط) نے جامعہ سے عالمیت کی اور دوسرے پوتے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی خدمت میں رہ کر ان کے مرافق سفر وحضر ہیں یہ مولانا سید سبحان ثاقب ندوی مرتب وقائع احمدی ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی نسبت مختلف مشائخ و بزرگان دین سے جن بزرگ نے حاصل کی وہ حضرت ڈاکٹر علی ملپا کی شخصیت ہے، اُطال اللہ بقاءہ وزاد اللہ نفعہ، جناب الحاج قاضی حبیب اللہ صاحب مدراسی قوم نوائط کے ایک بلند مرتبہ عالم دین وشیخ طریقت گزرے ہیں، سلسلۂ قادریہ میں ان سے بھٹکل کے بعض حضرات کو استفادۂ باطنی حاصل ہوا، مشائخ بھٹکل میں ایک نام مولانا محمد اکرم اکرمیؒ کا بھی ہے جنھیں مختلف مشائخ سے اجازت حاصل تھی ان کے صاحبزادے الحاج محمد حامد اکرمی عرف صابو خلفو کو اپنے چچا شاہ اسمٰعیل اکرمی سے اور قاضی حبیب اللہ مدراسی سے حاصل ہے اور ان سے ان کے صاحبزادہ گرامی مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل کو اجازت حاصل ہے، قاضی حبیب اللہ مدراسی کے خلفاء میں ایک نام مولانا محمد احمد خطیبی بھٹکلی کا بھی ہے۔ بھٹکل کے موجودہ علماء میں مولانا ملا محمد اقبال ندوی قاضی شہر بھٹکل کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے اور اسی طرح مولانا محمد صادق اکرمی ندوی کو حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے اور مولانا محمد ایوب ندوی کو حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقی علیہ الرحمہ کے خلفاء مولانا شاہ بشارت علی مرحوم اور مولانا عبدالرؤوف صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی سے اجازت وخلافت حاصل ہے، یہ بات مخفی رہی کہ الحاج محی الدین منیری مرحوم کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مدینہ طیبہ میں مقیم خلیفہ حضرت شاہ محمد موسیٰ علیہ الرحمہ نے ان کے آثار رشد وہدایت کو دیکھ کر اجازت وخلافت سے ان کے ایک سفر حجاز میں سرفراز کیا تھا۔ راقم نے ان کے مرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا انھیں مبارک ہو۔

سلسلہ فردوسیہ جس کے بانی حضرت شیخ شرف الدین منیری بہاری ہیں، جن علاقوں میں رواج پایا اور ان کے مراکز جہاں مختلف جگہ ہندوستان میں قائم ہوئے انہی میں ایک بزرگ شاہ قاضی اسمٰعیل اکرمی بھٹکل میں تھے جن پر اس سلسلہ کے عظیم مبصر ومؤرخ حضرت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنا تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مخدوم الملک کے بعد سلسلۂ فردوسیہ نے کیا ترقی کی، اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقہ سے نظر سے نہیں گذری، آپ کے بعد مولانا مظفر بلخی (مدفون عدن) جانشین ہوئے اور بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا،......اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال منیریؒ بن عم مخدوم الملک نے شیخ پورہ ضلع مونگیر (بہار) میں خانقاہ قائم کی، آپ کے خاندان کے افراد سے یہ سلسلہ اب تک وہاں قائم ہے، مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب بزرگان فردوسیہ کے حالات میں ''مناقب الاَصفیاء'' ہے، جو طبع ہوچکی ہے، اوراس کتاب میں اس سے خاص مدد لی گئی ہے،......مخدوم الملک کے بعد منیر میں سلسلۂ فردوسیہ نے ترقی کی، جن میں آپ کے خاندان کے مخدوم شاہ دولت منیری متوفی ۱۰۱۷ھ مشہور بزرگ گذرے آپ کے ایک مرید وخلیفہ امان اللہ صدیقی عاصی سندیلہ یوپی سے سلسلہ جاری ہوا، تقریبا دسویں صدی میں فتوحہ ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلہ کی ایک خانقاہ قائم ہوئی، اوراب تک سلسلہ جاری ہے، صوبۂ بہار میں کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے، اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے، مخدوم الملک کی ذات سے ہے،------محلّہ مشما بھٹکل ''میسوراسٹیٹ'' میں بھی اس سلسلہ کی خانقاہ ہے۔(۱)

تعلق مع اللہ

مولانا سید سحبان ثاقب ندوی رقم طراز ہیں:

''مولانا کا تعلق مع اللہ، ان کا اخلاص، قوم کے لئے ان کی فکریں، ملت کے لئے ان کا درددان کا طرۂ امتیاز تھا، مولانا میراث نبوت کے حقیقی امین ووارث تھے، چنانچہ ان کا رسول اللہ ﷺ کے اس خاص وصف سے متصف ہونا لازمی تھا، یہی صفت میراث نبوت کے حامل ہر دور کے علماء ربانیین میں رہی ہے، اللہ نے جب تک مولانا کے بدن میں قوت رکھی،

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم ص:۳۱۱

وہ اپنے اوصاف وکمالات سے لوگوں کے لئے نمونہ بنے رہے، اپنے وعظ ونصائح سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے، حسن اخلاق کی دعوت دیتے رہے، معاشرے میں پھیلنے والی برائیوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے رہے۔ انہیں لوگوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی فکر بھی دامن گیر رہتی تھی، اسی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ ملت کے بڑوں سے اور صاحب نسبت لوگوں سے اپنا تعلق برقرار رکھا، مجھے اچھی طرح سے وہ دن یاد ہے جب مولانا آج سے چار سال قبل ندوہ آئے تھے، مجھ سے تنہائی میں کہنے لگے کہ میں حضرت سے بیعت ہونا چاہتا ہوں، خالی وقت دیکھ کر مجھے بلالینا، پھر عصر اور مغرب کے درمیان مولانا نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت توبہ واصلاح کی، اپنی قوم کے معزز ترین فرد اور خود مصلح وقت ہوکر بھی وہ خود کو اصلاح واسترشاد سے مستثنیٰ نہیں سمجھتے تھے، اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دام ظلہ کے ہاتھ پر بیعت ہورہے تھے، میرے سامنے بالکل وہی منظر تھا کہ وقت کا سلیمان درِ تھانوی پر جبین نیاز خم کررہا تھا، اس تعلق کے ایک سال بعد ہی ہمارے حضرت نے اپنے بھٹکل کے ایک سفر میں مولانا کو مجاز صحبت اور پھر مجاز بیعت سے نوازا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صحبت اقدس میں رہنے کی وجہ سے مولانا کی ناچیز پر بے انتہا شفقتیں تھی اور مولانا حضرت سے رابطہ کرنے کے لئے ناچیز ہی کو فون کرتے تھے، حضرت مولانا کا بھٹکل کا سفر جب بھی ہونے والا ہوتا، تو مولانا کا فون پر دعوت دینا ہمارے حضرت کے نزدیک نہایت اہمیت کا حامل ہوتا، کئی بار جب بھٹکل کے دوسرے پروگراموں میں اہل بھٹکل نے حضرت حضرت مولاسید محمد نا رابع صاحب کو شرکت کی دعوت دی، تو حضرت نے مولانا ہی کے مشورے پر عمل کیا، بیماری کے ایام میں مولانا کی حضرت سے بارہا گفتگو ہوئی، اور حضرت اپنی باتوں اور تسلیوں سے مولانا کی ہمت بڑھاتے رہے، بنگلور میں جب مولانا زیر علاج تھے، اس وقت حضرت اقدس کا بنگلور کا سفر طے تھا، اس میں مولانا کی عیادت کی بھی نیت تھی، اور پہلے ہی دن ہم لوگ حضرت کی سرکردگی میں مولانا

کی عیادت کے لئے گئے، حضرت کی آمد اور دعا کی برکت کا واضح اثر مولانا کی طبیعت پر پڑا، مولانا الیاس صاحب نے دوسرے دن فون پر بتایا کہ حضرت کی آمد باسعادت سے مولانا کو کئی عرصہ بعد اطمنان کی نیند نصیب ہوئی، اس لیے تم کوشش کرو، ایک مرتبہ پھر حضرت اقدس کی مولانا سے ملاقات ہو جائے، دار الامور میسور کے پروگرام سے واپسی کے بعد پھر ہم نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کو عیادت کے لیے جانے پر آمادہ کیا، اس وقت مولانا ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر اپنی بہن کے گھر پر تھے، اس دن مولانا کو بہت بشاش حالت میں اپنے پرانے طبعی انداز میں ملتے ہوئے مسکراتے ہوئے دیکھا، لیکن کسے معلوم تھا کہ مولانا کی اپنے شیخ کے ساتھ یہ ملاقات آخری ثابت ہوگی۔

مولانا کی عند اللہ مقبولیت کی کھلی دلیل ان کے آخری ایام ولمحات ہیں، اہل حق اور صاحب نسبت لوگوں کے آخری لمحات میں ہمیشہ دیکھا گیا کہ انہوں نے ہمیشہ موت کا استقبال کیا، ہمارے مولانا کا اللہ تعالی سے گہرے تعلق کا اظہار اس وقت اہل تعلق نے بخوبی اپنی نگاہوں سے دیکھا جب موت کا فرشتہ پیام اجل لیے دروازے پر دستک دے رہا تھا اور مولانا لبیک لبیک کہتے ہوئے رب کے دربار میں حاضر ہو رہے تھے"۔(۱)

یہی تعلق مع اللہ کی دولت تھی جس نے ان کا دعا و ذکر سے شغف بڑھا دیا تھا، اور ادائیگی حقوق العباد میں چوکس کر دیا تھا، چنانچہ وہ ایک طرف تو قرض لیتے نہ تھے، اور اگر اس کے لئے مجبور ہو جاتے، تو لکھنے کا اہتمام کرتے اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے:

"إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ"۔

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۲:)

[ترجمہ: کہ جب تم قرض کا معاملہ وقت مقررہ سے کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔]

اور اس طرح کے سارے ہی کام تمام شرعی اصولوں کو سامنے رکھ کر ہی کرتے تھے، اور اپنے لیے اپنی اولاد اور جامعہ کے طلبہ سبھی کو مسنون اذکار کی پابندی کا عادی بناتے۔

(۱) یہ مضمون مضمون نگار کا عنایت کردہ ہے

اور اسی تعلق مع اللہ کا اثر تھا کہ دنیا سے ان کا دل ایسا ہٹ گیا تھا کہ وہ دنیا میں ہوتے ہوئے دنیا میں نہیں ہیں، زندگی کا آخری ہفتہ جو سخت بے چینی کا ہی تھا، انتقال سے ایک دن قبل عربی میں خطبہ دیا گویا وہ خطبہ دہرایا جو جمعہ وعیدین میں دینے کا معمول تھا، جس میں دنیا کی بے رغبتی وغیرہ کے اظہار کے ساتھ یہ فرمایا کہ "إنَّ هٰذِهِ الدُّنْيَا فَانِيَة'' وغیرہ سے تیمار دار محسوس کر رہے تھے کہ ان کا نیچے سے رشتہ کٹ کر اوپر سے جڑ گیا ہے، اور یہ دعا نبوی بھی زبان سے نکلتی "لَا تدَعْ لِي ذَنْبًا إلَّا غَفَرْتَه ،وَلَاهَمًّا إلَّا فَرَّجْتَه" (۱) اور جو اردو کے الفاظ ان کی زبان سے دیر تک اس حالت میں جاری ہوتے جب بولنا، اٹھنا ،بیٹھنا، کھانا، پینا سب محال ہوتا جا رہا تھا، مگر کوئی طاقت تھی جو ان سے بلوا رہی تھی، یہ طاقت وہی تعلق مع اللہ کی تھی اسی طرح ان الفاظ کا کہنا کہ ''اے اللہ میں نے زندگی بھر تیرا دین پڑھایا، لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں، بلکہ تجھ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا''۔

اے اللہ! میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے پیٹ میں کبھی حرام رزق نہیں ڈالا،

اے اللہ! میں نے جان بوجھ کر کوئی غلط کام نہیں کیا،

اے اللہ! تیرے بہت سے بندے بندیوں نے میرے لیے نماز پڑھ کر، روزے رکھ کر دعا کی اس کی لاج رکھ لے،

اے اللہ! تو ہی میرے والدین کا سہارا ہے، میں سمجھتا تھا کہ میں سہارا ہوں لیکن تو نے دکھایا کہ سہارا تو ہی ہے، اے اللہ! خیر مقدر فرما۔

اے اللہ! میں نے کبھی اس قدر عاجزی کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی تو معاف کر دے۔ اے اللہ! موت کی سختی آسان فرما۔

گھر والوں کے ساتھ

اس کے ساتھ گھر کے حقوق میں کمی نہ ہونے دیتے، اور اس میں والدین کی خدمت،

---

(۱) سنن ترمذی ۳۸۱

بچوں پر شفقت ان کی تربیت و تعلیم اور راحت کی فکر یہاں تک کہ بجلی نہ ہونے سے گرمیوں میں پریشان والدین اور بچوں کو خود پنکھے سے ہوا دے رہے ہیں، ان کی نیند کے لئے اپنی نیند قربان کر رہے ہیں، اور اہلیہ محترمہ کے کاموں میں ان کے بوجھ کو ہلکا کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی نیک خاتون کو شریک حیات بنایا جو ان کے دینی ترقیات میں سب سے زیادہ معاون بنیں، اور خود ان کا اپنے گھر کے خیال کے ساتھ ان کے گھر اور والدین کا بھی خیال اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر خیر جمع کرنے کی غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی، ان کے برادر نسبتی برادر محترم مولانا سید ہاشم ندوی اپنے تمام خیر کو انہی کا صدقۂ جاریہ سمجھتے ہیں، اور ان کو صرف اپنا بہنوئی اور استاد ہی نہیں مثل والد اور مرشد و مربی سمجھتے ہیں۔

دائرہ خدمت خلق کی وسعت

جب ان کو ان کے شیخ و مرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ان کی دینی خصوصیات، معاملہ فہمی، دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کے مزاج، ارشاد و تربیت کی فکر، سماج کی اصلاح کی کوشش اور دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت کے ساتھ جذبہ خیر خواہی اور دوسروں کے لئے وہ پسند کرنا جو اپنے لئے پسند ہو اور یہ کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور دیگر علمی، دعوتی، اصلاحی امتیازات کو دیکھتے ہوئے جنوری ۲۰۱۳ء کے دوسرے ہفتہ میں اپنے سفر بھٹکل میں مجاز صحبت اور پھر مجاز بیعت کیا اور اس کے چند ماہ بعد ان کے سفر رائے بریلی میں کچھ ہدایات دیں تو ان کا دائرۂ خدمت خلق اور وسیع ہو گیا، چونکہ ان کا معمول مغرب و عشاء کا وقت جامع مسجد کو دینے کا تھا اور فجر کی نماز میں بھی وہ جامع مسجد جاتے اور اس میں حالات کی ناسازگاری موسم کی خرابی اور کسی ذاتی و عائلی رکاوٹ کو مانع نہ بننے دیتے اور دن کا وقت اور ان اذکار و تسبیحات کا جن کا سیرت نبوی میں التزام ملتا ہے، خاص خیال رکھتے، مزید باطنی و روحانی علاج و ترقی کے لئے ایک شیخ و مرشد جن اذکار کی تلقین کرتا ہے، ان کو ان

کے شیخ اول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تلقین فرمائے تھے، ان کا اور پھر ان کے شیخ ثانی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے جو تلقین فرمائے اس کا بھی اور ان ہدایات ووصایا کا بھی پاس رکھا جو انہیں اپنے ان مشائخ ومربیوں سے ملی تھی۔

شکر واحسان مندی

ان کی زندگی سراپا شکر نظر آتی تھی، اور یہ کیفیت شکر خود راقم کے مشاہدہ میں ان کی صحت ومرض دونوں حالتوں میں آئی، انہیں بیماری کا شکوہ کرتے نہیں دیکھا اور جب وہ بستر علالت پر تھے اور اسپتال میں زیر علاج تھے تو معالج، تیمار دار، مزاج پرسی کے لئے آنے والوں کی دریافت خیریت پر سب سے پہلے الحمد للہ کہتے اور خود اسی کی خیریت پوچھنے لگتے جو اس کی خیریت پوچھ رہا ہوتا، اس جذبہ شکر وحمد نے ان کے اندر ایمان ویقین کی صفت میں اضافہ کر دیا تھا، علاج میں اہل تعلق کی طرف سے مختلف باتیں آنے اور سننے پر اپنے اہل خانہ کو یہ کہہ کر مطمئن کیا، سب اللہ کی طرف سے ایک طے شدہ نظام کے تحت ہوتا ہے، یہ سوچنا فلاں ڈاکٹر، اچھے سے اچھا علاج، مہنگی سے مہنگی دوا، یہ سب بے کار اور لغو باتیں ہیں، اور اگر مگر شیطان کا پھندا ہے، اگر مگر کا لفظ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے، اور محاسبۂ نفس کا یہ حال تھا کہ وہ پوری زندگی اپنے ضعیف والدین کے خدمت گزار رہے، اپنے بستر علالت پر ہونے سے انہیں اپنی ذات پر اعتماد کا خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں اپنی خود اعتمادی نے تو ہم کو نقصان نہیں پہونچایا کہ خدا اعتمادی اس سے کمزور ہو رہی ہو، ایک انسان اپنا کچھ نہیں کر سکتا دوسرے کا کیا کرے گا سب کا پالنے والا اور دیکھ ریکھ کرنے والا وہی اللہ ہے جو رب العالمین ہے، اور اپنے والدین کے لئے خوب خوب دعا کرتے، رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْرًا۔ اور یہ دعا ان کا حال بن گئی تھی۔

رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ، وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ۔

استقامت وثابت قدمی

وہ انسان خسارہ میں نہیں رہتا جس کی زندگی ایمان وتقوی کے ساتھ تواصی بالحق وتواصی بالصبر سے عبارت ہوجائے، جہاں تک ان کی عملی زندگی کا تعلق ہے، خاص وعام سب گواہ ہیں کہ وہ "شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰه "اور" رجلٌ قَلْبُه مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِد" (۱) کے مصداق تھے، اوراس کا اندازہ قارئین اس سے بھی بخوبی لگالیں گے جو گزشتہ سطروں میں ان کے متعلق پیش کیا گیا، اجتماعی وعائلی زندگی میں دوسروں میں دین اتارنے اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کا کام حق اور صبر کی تلقین وتاکید تاعمر جاری رکھا اس نے ان کی اس استقامت پر وہ مقام عالی عطا کیا، جو مقام ارشاد کہلاتا ہے، جس کے لئے تنہا اپنا ذاتی عمل کافی نہیں ہوتا بیان واظہار مافی الضمیر کی بھی ضرورت پڑتی، اوراس سے دوسروں کو مستفید کرنا پڑتا ہے، اور یہ کار نبوت ہے جس کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی ہے، وہ اپنی حفاظت کے ساتھ دوسروں کو دائرۂ حفاظت ایمانی وروحانی میں لانے کا کام کرتے تھے، ختم نبوت سے یہ ذمہ داری خلفاء نبوت اور علماء نبوت پر آگئی، اوراس راہ پر چل کر ایک مومن ولایت اولیاء سے ترقی کر کے ولایت انبیاء کا مقام حاصل کرتا ہے۔

شفقت علی الخلق

ان تمام محاسن وکمالات اور اوصاف وخصوصیات کے ساتھ جن کی طرف اشارہ کیا گیا اور بھی بہت سی وہ خوبیاں جن کا ذکر ضروری تھا، لیکن ایک مضمون ومقالہ میں ایسی جامع صفات وکمالات شخصیت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، جس میں جود وسخا، غریب پروری، ہمدردی وخیر خواہی، اور وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲) پر پورا عمل، انسانی دنیا پر ہدایت کی فکر وتلقین، اور غیر انسانی مخلوق کے ساتھ بھی اس کا خیال کہ ہم اس کی تکلیف کا ذریعہ نہ بنیں یہاں تک کہ چیونٹی کو ایسی جگہ نہ جھاڑنا جہاں کسی کا انجانے پیر پڑ جائے یا

(۱) صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۳۵۷ (۲) سورہ حجر :۸۸

پانی گر جائے وغیرہ۔

وفات سے پہلے وفات کی تیاری

تذکیر بالآخرت کے لئے دوسروں کو مخاطب بنانے سے پہلے خود اپنے کو محتاج سمجھ کر قبرستان جانے کا اہتمام اور ابتہال ومناجات کا خیال بھی باوجود اخفائے حال کے امر مخفی نہ رہا، اور وفات پر ان کی جو خوشبو پھیلی اور جس طرح لوگ آخری دیدار اور شرکت جنازہ کے لئے ٹوٹے اور آنکھیں اشکبار ہوئیں، اس نے "بَيْـنِـنَا وَبَيْنَهُمُ الْجَنَائِزُ" کو تازہ کر دیا، اور ان کے مرض وفات کے آخری لمحات نے ان کے وہ مقامات طے کرائے جو نفس مطمئنہ کے حال ومقام سے گزر کر "رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" کے مشاہدے میں آئے، اور ایسا محسوس کیا گیا کہ جیسے یہ آیت کریمہ اپنی بشارت واظہار مقام وحال کے ساتھ ابھی نازل ہو رہی ہے۔

"يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلٰى رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
فَادْخُلِي فِي عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِي"۔ (سورہ فجر آخری آیت)

''اے اطمینان والی جان، لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تم سے راضی اور وہ تم سے راضی پھر شامل ہو میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔''

نواں باب

اوصاف وکمالات امتیازات وخصوصیات

سات صفات:

کسی شخصیت کو جاننے اور سمجھنے اور اس کے مشن اور پیغام کی اہمیت دینے اور قبول کرنے کے لئے اس شخصیت کی ذاتی زندگی، انفرادی خصوصیات، علمی و دینی مقام، لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات، تعلق مع اللہ، عائلی وخانگی زندگی میں افراد خاندان واہل خانہ کے ساتھ برتاؤ، اور رفقاء کار کے ساتھ رویہ، ملی وانسانی مفادات اور ذاتی اغراض ومنافع میں فرق وترجیح اور اس کی فقہ اولویات وترجیحات سبھی چیزوں پر نظر رکھ کر معاملہ کیا جاتا اور لیا جاتا ہے۔

جہاں تک مولانا عبد الباری ندوی کی شخصیت اور ان کی مقبولیت ومحبوبیت اور مرجعیت ومرکزیت اور لوگوں کا ان کے ساتھ فدائیانہ انداز تعلق اور نیاز مندانہ ارتباط یہ سبھی کچھ ان خصوصیات وامتیازات، اوصاف وکمالات اور محاسن وفضائل کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک جامع فضائل ہستی کے ہو سکتے ہیں، ان کے فرزند سوم مولوی عبد النور فکردے ندوی ان کے اوصاف وخصوصیات کو سات حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) تواضع: اللہ نے ان کو بڑی عزت ومقبولیت دی لیکن اپنے کو انہوں نے ہمیشہ چھوٹا سمجھا بڑوں کو عزت دی چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے، یہ دعا ان کے حسب حال ہوئی:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ فِى عَيْنِى صَغِيْرًا وَ فِىْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا"۔

(۲) گھر والوں کے ساتھ سلوک: حد درجہ انہوں نے اپنے گھر والوں کا خیال رکھا، اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل تھا کہ اتنی مصروفیت کے باوجود گھر والوں کا ایسا خیال، والدین کی خدمت یہاں تک کہ بوڑھی ماں کو اپنے ہاتھ سے کھلاتے، والد کو علاج وضرورت کے لئے جب منگلور جانے کا تقاضا ہوتو اپنے لڑکوں، بھائیوں سے نہیں کہا تم ساتھ جاؤ یا خدمت کرو، حالانکہ وہ بیمار اور پیروں میں شدید تکلیف پھر بھی والد کو دکھانے منگلور لے گئے، ان کی والدہ کو ان سے ایسا تعلق تھا کہ جب تک وہ انہیں دم نہ کر دیتے وہ نا سوتیں، اہلیہ اور بچوں کے ساتھ یہ حال وسلوک تھا کہ رات میں بجلی چلی جاتی اور وہ سو رہے ہوتے آنکھ کھلتی اپنی اہلیہ اور بچوں کو خود پنکھا جھلتے کہ انہیں تکلیف نہ ہو، گھر والوں کے ساتھ ان کا یہ سلوک رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد دلاتا ہے

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي "(۱)

(۳) شب گذاری اور نماز باجماعت کا اہتمام:

مؤمنین صادقین کے خاص اوصاف میں یہ وصف شمار ہوتا ہے اور اس سے مقام بڑا بلند ہوتا ہے، حضور ﷺ سے فرمایا گیا:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَكَ ، عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا(۲)

"رات کے کچھ حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجئے جو آپ کے حق میں زائد چیز ہے عجب کیا کہ آپ کا پروردگار مقام محمود سے آپ کو نوازے۔"

مولانا کے اوصاف میں یہ وصف بھی نمایاں وصف تھا، اور ہمیشہ اس کا انہوں نے اہتمام رکھا یہاں تک کہ دیر میں سونے کے باوجود، کسی جلسہ میں شرکت اور بیماری یا تکان کی وجہ سے دیر میں نیند آنے کے باوجود اس معمول کو متاثر نہیں ہونے دیتے، خلیجی ممالک کا ایک طویل دعوتی سفر چالیس دن کا ہوا جس میں ایک سو بیس تقریریں کی تھیں، رات میں دیر ہو جاتی

---

(۱) سنن ترمذی ،مناقب ،باب في ازواج النبي صلى الله عليه وسلم: ۳۸۹۵

(۲) (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۹)

مگر تہجد نہیں چھوٹتی، تہجد اور نماز فجر کی جماعت کی ایسی پابندی تھی کہ بارش تیز ہو رہی ہے، موسم خراب ہے، ان کی والدہ کہتیں بیٹا ابھی نہ جاؤ، مگر وہ اس حالت میں بھی ٹو ویلر گاڑی پر جامع مسجد جاتے اور نماز پڑھاتے، فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں جامع مسجد میں پڑھاتے تھے، ظہر اور عصر کی نمازیں جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں باجماعت پڑھتے یا پڑھاتے۔

(۴) شکر گذاری کا جذبہ:

شکر گذاری اعمال قلوب میں بڑی ترقیات روحانی کا موجب عمل ہے، جس پر اللہ تعالی اپنے بندہ کو بہت نوازتا ہے، فرمایا" لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ "(۱) (تم شکر گذار ہو گے ہم تمہیں اور نوازیں گے)، اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور اس کے انعامات کا خیال و دھیان اور خیر پہنچانے میں جو ذریعہ بنتا ہے اس کا بھی شکر گذار ہونا کہ " مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه " (۲)، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو انسان میں تواضع اور عاجزی کا وصف پیدا کرتی ہیں، اور عبدیت کی شان عطا کرتی ہیں، وہ دوسروں کے احسانات کو بھلانا تو دور کی بات ایسا یاد رکھتے تھے کہ آدمی حیران رہ جائے، مرض وفات میں ایک ایسے شخص حاضر ہوئے جن کے احسانات کا انہیں خیال تھا آپ ان کے احسانات یاد دلا دلا کر کہنے لگے، تم نے یہ احسان کیا، تم نے وہ احسان کیا، جبکہ بولنا اور نگاہ ٹکانا مشکل ہو رہا تھا اگر وہ احسان کا بدلہ احسان سے نہ دے پاتے تو اس کا بدلہ دعائے خیر سے دیتے۔

(۵) کردار سازی و مردم سازی کا عمل:

مردان کار کی تربیت، انسانی کردار سازی کا عمل یہ وہ عمل ہے، جو بعثت کے مقاصد میں آتا ہے، ختم نبوت کے بعد یہ ذمہ داری علماء نبوت پر آئی، اور اس میں جس نے جتنی تگ و دو کی وہ اتنا آگے بڑھتا چلا گیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے ایک بار راقم الحروف (مصنف کتاب) نے دریافت کیا کہ روحانی ترقی کن باتوں سے زیادہ تیز ہوتی ہے، دو، تین

---

(۱) سورہ ابراہیم: آیت ۷ (۲) سنن ترمذی باب الشكر لمن أحسن اليك رقم الحديث ۲۰۸۲

باتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: دعوت کا کام ایمان واحتساب کے ساتھ ہو، یہ واقعہ ہے کہ مولانا نے فراغت تعلیم کے بعد تربیت وارشاد، اصلاح ودعوت اورانسانی کردار سازی کے کام کے لئے اپنے کو وقف کردیا تھا اورانہیں جامع مسجد کی امامت وخطابت اور جامعہ اسلامیہ میں تعلیم وتدریس کے ذریعہ اس کے بڑے مواقع حاصل ہوئے، اوران مواقع کی انہوں نے بھرپور قدر کی اس کے متعلق کہنے والوں نے صحیح کہا ہے کہ:

"وہ نئی نسل کے معمار تھے، بھٹکل میں سن ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں آئے، اورآج جو نشأۃ ثانیہ بھٹکل میں ہے اس میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے، ایک وقت تھا جامع مسجد کے اندر تین سو بچے پڑھا کرتے تھے، جامع مسجد کے مکتب کا جو نظام مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے جامعہ کے استاذ مولانا محمد ایوب صاحب ندوی بھٹکلی نے شروع کیا اس کو مولانا نے اپنے کردار سے مضبوط کیا، اوراس کے علاوہ مقامی طور پر نوجوانوں کو دین سے جوڑنے کا کام کیا، جس کا ان سے پہلے مولانا محمد صادق اکری ندوی، مولانا ملا محمد اقبال ندوی، مولانا محمد غزالی ندوی نے آغاز کیا تھا، جس کا خاص اثر یہ ظاہر ہوا کہ ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۰ء تک وہ یکسوئی سے ادھر مصروف عمل رہے"۔

(۶) ملی واجتماعی کاموں میں شرکت اور رہنمائی:

مولانا تمام مقامی اداروں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، جامعہ ہو، جماعت المسلمین ہو، تنظیم ہو، اکاڈمی ہو، علی پبلک اسکول ہو، ان کی حیثیت دیوار کی تھی، لوگوں کو احساس ہوتا کہ وہ پشتہ بنے ہوئے ہیں۔

(۷) صبر وتحمل اور تقویٰ وحیا:

یہ ایک بڑا وصف ہے، اس پر بھی اللہ کے بڑے انعامات ہوتے ہیں، اور لمحوں میں انسان وہ مدارج قرب واختصاص طے کرتا ہے کہ دوسرے یہ سمجھ نہیں پاتے کہ کس وجہ سے وہ اتنا آگے بڑھ گیا، حضرت یوسف علیہ السلام کو کیسے ناگفتہ بہ اور سخت ترین حالات سے گزرنا

پڑا، لیکن وہ ایک حرف شکایت بھی زبان پر نہیں لائے، اور جن کے ذریعہ ان کو ان تکلیفوں سے گزرنا پڑا تھا ان کے ساتھ حسن سلوک کی وہ نظیر قائم کی جو انہی کا حصہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا دینی دنیوی اعزاز و مقام اور کیسا اعلیٰ دینی رتبہ و منزلت و مقام عطا کیا، اور اسی صبر و تقویٰ و ایمان اور ایذاء پہچانے والوں کے ساتھ حسن برتاؤ اور دنیوی نوازشوں نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کو کیا عظیم رتبہ و مقام اور اور آپ کی امت کو کیسی عظیم فتوحات اور کامیابیاں عطا کیں، مولانا عبدالباریؒ نے اس اسوہ کو بھی اختیار کیا تھا، اور مزید زبان، ہاتھ، قدم سب کی حفاظت کی فکر و کوشش کے ساتھ اس بات کا لحاظ کہ ہر وہ بات جو گھر اور ماحول اور سماج میں معیوب ہے اس سے خود تو بچا جائے اور دوسرے کو بھی اس طرح بچا لیا جائے کہ اس کی سبکی نہ ہو، اور بات بھی بن جائے، چنانچہ وہ ملنے والوں سے اس طرح ملتے کہ انہیں یہ احساس نہ ہونے دیتے کہ وہ اجنبی اور غیر متعارف و غیر مانوس ہے، اس کا اثر تھا کہ ان سے ملنے والوں کا تعارف جب ان کے صاحبزادگان سے ہوتا تو وہ لوگ یہ کہے بغیر نہ رہتے کہ آپ کے والد ماجد ایسا ملتے ہیں جیسے وہ پرانے دوست ہیں۔

دو مرکزی وصف تعلق مع اللہ اور اتباع سنت:

ان تمام اوصاف و خصوصیات کو دو مرکزی وصف و خصوصیات میں بیان کیا جا سکتا ہے، وہ ہیں تعلق مع اللہ اور اتباع سنت

جہاں تک اتباع سنت کا تعلق ہے، وہ تعلق مع اللہ کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتا ہے، اور اسی پر محبوبیت و مقبولیت حاصل ہوتی ہے، اس کا نتیجہ قرآن مجید میں صاف بتایا گیا ہے، "يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ " (۱) کہ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا، اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں ”جو جتنا بڑا متبع سنت ہوتا ہے وہ اتنا بڑا ولی ہوتا ہے۔ (۲) ہر نیک عمل کے ساتھ ایک نور ہوتا ہے اور ایک خوشبو

---

(۱) سورہ آل عمران آیت نمبر ۳۱ (۲) دہلی اور اس کے اطراف از مولانا سید عبدالحی حسنی

ہوتی ہے، اگر وہ نیک عمل سنت کے مطابق انجام دیا جائے تو اس کا الگ نور اور الگ خوشبو ہوتی ہے، سنتیں ظاہری ہوتی ہیں اور باطنی بھی، سنتیں اعمال قلوب کی بھی ہیں اور اعمال جوارح کی بھی، اور ایک عظیم سنت یہ ہے کہ جو اپنے لئے چاہا جائے وہی دوسرے کے لئے چاہا جائے، ایک معیار ہو دوہرا معیار نہ ہو، پوری انسانیت کا درد ہو کہ حضور ﷺ فرماتے تھے:

" أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ إِخْوَةٌ "(۱)(میں گواہ ہوں کہ سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں) اور یہ تعلیم دی کہ " اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ "(۲)

(کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے سب مسلمان محفوظ رہیں)

اور نیک اعمال کی انجام دہی میں ایک عظیم سنت ایمان اور احتساب کی بھی ہے، اللہ کے وعدوں پر یقین اور اجر و ثواب کی امید و شوق بھی رہے، اور جو کام کیا جائے اس میں اللہ کی رضا پیش نظر رہے، بہرحال جتنا تعلق مع اللہ مضبوط ہوتا جائے گا اتباع سنت آسان ہوتا جائے گا، مولانا کو ظاہری سنتوں کا بڑا خیال اور استحضار رہتا تھا، فرائض و حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ان کی تکمیلی اور نوافل اعمال و امور کا بھی خیال رہتا، جیسے نماز کے اندر کی سنتیں، آداب و مستحبات وغیرہ اور سنت نمازیں، اسی طرح روزے کے اندر کی سنتیں اور سنت روزے، زکوۃ کی ادائیگی اور مزید نفلی صدقات وغیرہ کا اہتمام اور اصحاب حوائج کی مدد اور غریب و مسکین پروری، اطعام طعام، اکرام ضیف، والدین کے ساتھ سلوک و برتاؤ اور پھر مزیدان کے اقارب اور دوستوں کے ساتھ برتاؤ، صلہ رحمی و قرابت داری، جن کی تربیت و تعلیم کی ذمہ داری ہے اس کے علاوہ جو زیر تربیت ہیں لیکن دینی رشتہ سے اور انسانی رشتہ سے ان کی رہنمائی اور اصلاح کی فکر، ناجائز و حرام کاموں و باتوں سے بچنا خود فرض ہے، اور بہتر یہ ہے کہ فضول اور لایعنی کاموں کی چھوڑ دیا جائے کہ ہدایت نبوی ہے " دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ (۳) " اور ارشاد نبوی ہے، " مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ "(۴) اس طرح فضول کاموں اور باتوں کو چھوڑتا

(۱) سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۱۰ سنن نسائی ۹۹۲۹ (۲) صحیح البخاری کتاب الایمان رقم الحدیث ۱۰
(۳) سنن نسائی باب الحث علی ترک الشبہات رقم الحدیث ۵۷۲۹ (۴) موطا امام مالک باب ماجاء فی حسن الخلق

رہتا ہے اور مزید وہ نیکیاں حاصل کرتا رہتا ہے جن کا تعلق ظاہری اعمال سے اور پھر باطنی اعمال سے بھی ہے، اللہ پر کامل یقین، اور توکل واعتماد، اور شکر گذاری، تقوی وحیا اور صبر وتحمل، اور پھر قناعت، زہد، استغناء یہاں تک کہ اس کے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہے اور اللہ کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی جائے، کہ دل ایسا حساس جزو بدن ہے جس میں ایسی غیرت ہے کہ وہ دونوں کو ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا، چنانچہ دل میں جیسے جیسے حب دنیا آتی رہتی ہے اللہ کی محبت جانے لگتی ہے، اور پھر خیر وشر کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی، جو انسان کو صلاح کے اعلیٰ معیار پر لے جاتی ہے، اس لئے حدیث نبوی میں "حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ" (۱) کہا گیا ہے، کہ ہر برائی کا راستہ دنیا کی محبت سے کھلتا ہے، اور شوق آخرت جو اصلاً حب لقاء الٰہی کا پیش خیمہ ہے کم ہوتے ہوتے ختم سا ہو جاتا ہے، اور تواضع کے بجائے غرور وتکبر، اخلاص کے بجائے ریا اور نام ونمود، نمائش وغیرہ، توحید کے بجائے شرک، شکر وعبدیت کے بجائے کفر اور صدق وصفا کے بجائے نفاق وشقاق جگہ بنا لیتے ہیں، اور آدمی صرف ولایت اور قرب الٰہی سے ہی دور نہیں ہو جاتا ہے بلکہ اہل اللہ سے عناد ومخالفت اختیار کر کے اللہ سے جنگ مول لے لیتا ہے، مولانا کی زندگی میں ان تمام باتوں کا بڑا لحاظ اور استحضار تھا۔

جہاں تک نماز کی سنتوں کا تعلق ہے، نماز میں پڑھی جانے والی سنتوں میں ایسی مواظبت اختیار کی کہ کبھی اس میں ناغہ اور تخلف نہیں دیکھا گیا، سابق شہر قاضی مولانا محمد احمد خطیبی مرحوم (والد مولانا عبدالرب ندوی و برادر اکبر مولانا محمد غزالی ندوی) نے شروع میں نصیحت فرمائی جب وہ جامع مسجد کے امام وخطیب ہوئے تھے کہ جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ یا جمعہ یا منافقون کا اہتمام کیجئے گا اس کا انہوں نے تاعمر خیال رکھا، اسی طرح جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا التزام ومواظبت رکھی، اور دوسری نمازوں اور عیدین کی نمازوں میں قرأت سورہ کی سنت اور تکبیرات وغیرہ کی سنت سب کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔

اسی طرح خطبوں اور تقریروں، پند وموعظت میں تذکیر بالآخرت، عقیدۂ توحید

---

(۱) جامع الاصول حدیث نمبر ۲۶۰۳

ورسالت اور عمل وسلوک میں انسانی مساوات واخوت کی تعلیم کا اہتمام رکھتے تھے، یہ بھی انبیاء کی اور سید الأولین والآخرین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بڑی سنت موعظت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے" كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ "ایسا لگتا ہے کہ الوداعی نصیحت ہے۔

جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں زیادہ تر تذکیر آخرت وتذکیر موت رہتا تھا، فرماتے:

آج آپ اپنے ہاتھوں سے عطر لگا کر آئے ہیں، ایک دن وہ آئے گا کہ آپ کو عطر لگایا جائے گا، آج خود آپ چل کر آئے ہیں ایک وقت وہ آئے گا کہ آپ کو لے جایا جائے گا، آج آپ سفید اور خوبصورت لباس زیب تن کر کے آئے ہیں، ایک دن وہ آئے گا کہ سفید لباس پہنایا جائے گا۔

انتظامی مصلحت سے غیر مسلموں کی عیدگاہوں میں تعیناتی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کا بھرپور تعارف کراتے، اور جو اشکال اسلام پر ہوتے ہیں ان کو بھی حل کرتے، اور اسلام میں انسانی بھائی چارہ کی اہمیت وتعلیم کو واضح کرتے اور پیام انسانیت دیتے۔

شفقت ومحبت اور خدمت خلق:

مولوی عبدالنور کہتے ہیں مولانا عام طور پر بچوں کو ہر طرح کے آداب سکھاتے، گھر میں کس طرح رہیں، محلّہ میں کس طرح رہیں، آس پڑوس کے ساتھ کس طرح رہیں، جب جامعہ سے لڑکے اپنے گھروں کو نماز پڑھ کر جانے لگتے تو آپ تھوڑی دیر انہیں نصیحتوں کا زاد سفر دے کر روانہ کرتے، اور ہر لڑکے کے ساتھ اس محبت وتعلق سے پیش آتے کہ اسے گھر کے فراق کا احساس نہ ہو، دعاؤں کے خود وہ بہت پابند تھے، وضو، خلاء، شام وصبح، سواری، کھانے پینے، سفر، ملاقات، سبھی مناسبت وموقع کی دعائیں انہیں یاد اور مستحضر تھیں اور عمل بھی تھا، اور اپنے بچوں، مدرسہ کے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے، دسترخوان پر بچوں کی تعلیم کے لئے بسم اللہ زور سے پڑھتے، اور یہ کہ بچے اپنے سامنے سے کھائیں، اس طرح کھانا بھی سنت اور اس کی تعلیم وتادیب بھی سنت، محبت وپیار کا یہ شفقت بھرا انداز بھی سنت ایک نیک عمل کی ادائیگی

میں تین سنتوں کا ثواب حاصل کیا۔ یہ شفقت بھرا انداز اور محبت و پیار کا طریقہ مختلف مناسبتوں سے الگ الگ طور پر ظاہر ہوتا۔

مولوی عبدالنور کہتے ہیں کہ والدہ (ان کی اہلیہ) پر ان کی مایوس کن علالت کا بڑا اثر تھا، اور کیوں نہ ہوتا وہ کہتی تھیں تیس سال کے عرصہ میں انہوں نے ذرا بھی شکایت کا موقع نہ دیا، ایک موقع پر والد صاحب نے والدہ صاحبہ پر آنسو کا اثر دیکھا، فرمانے لگے اپنے موجود فرزند سے کہا کہ اپنی والدہ کا چہرہ دھو، فرمانے لگے موت وحیات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

والدین سے محبت اس قدر تھی کہ ان کی ذراسی تکلیف انہیں بے چین کر دیتی، ان کی والدہ کہتی ہیں کہ عبدالباری نے میری جیسی خدمت کی اور خوش رکھا اور جس محبت کا اظہار کیا وہ آسان نہیں جیسے اللہ نے مجھے زندہ ہی اس لئے رکھا تھا کہ وہ میری خدمت کریں، شروع میں جب ان کی مشغولیت زیادہ نہیں تھی تو وہ اپنی والدہ کے کپڑے وغیرہ بھی خود دھوتے، اپنا اور گھر کا کام بھی خود کرتے تھے، جیسے برتن وغیرہ دھونا اور بھی بعض امور میں تعاون، بعد میں مشاغل بڑھتے چلے گئے، اور پھر ایسا بھی ہوتا کہ گھر سے ناشتہ کئے بغیر جامعہ چلے جاتے، اور ایسا ٹائٹ نظام الاوقات بنتا چلا گیا کہ گھر کے لوگوں کو وقت دینا آسان نہ تھا پھر بھی رات کا وقت یعنی عشاء بعد سے طلوع صبح صادق تک گھر کے ہی لئے خاص تھا، اس طرح دن میں باہر کے حقوق کی ادائیگی میں اور رات گھر کے حقوق کی ادائیگی، اس طرح تقسیم تھا کہ دونوں کام بحسن وخوبی انجام پاتے تھے اور یہ تینوں چیزیں شفقت، محبت اور خدمت دونوں جگہ تمام امور میں ظاہر ہوتیں۔

خیر خواہی:

خیر خواہی ایک بڑا ایمانی وصف ہے، حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ:

"لِلّٰہِ، وَلِکِتَابِہٖ، وَلِرَسُوْلِہٖ، وَلِأَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ" (۱)

(۱) صحیح مسلم باب بیان ان الدین النصیحہ رقم الحدیث ۲۰۵

(اللہ کے لئے، اور اس کی کتاب کے لئے، اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور خاص وعام مسلمانوں کے لئے)

اس کی جیسی تشریح علماء اور محدثین نے کی ہے، جس میں امام نوویؒ کی تشریح صحیح امام مسلم میں بڑی جامع اور بسیط تشریح ہے، مولانا عبدالباری ندوی کی زندگی ایک عملی زندگی تھی، انہوں نے اس " النصیحة " خاص وعام خیر خواہی کا ہمیشہ بڑا خیال رکھا جس کا ان کے بڑے چھوٹے، ساتھی رشتہ دار، اساتذہ وشاگرد، عام وخاص اہل تعلق سبھی اعتراف کرتے ہیں، یہ نصیحہ اللہ کے لئے اعلاء کلمۃ اللہ، ترویج دین وشریعت، نماز اور دعا وغیرہ سے شغف اور اس کی مخلوق کے سلسلہ میں رحمدلی وغیرہ کے لحاظ سے ظاہر ہوتی، یہاں تک کہ چیونٹی جھاڑنے میں اس کا خیال کہ وہ ایسی جگہ نہ پڑے کہ بلا وجہ اس کا خون ہو کنارے جا کر ایسی جگہ جھاڑتے کہ وہ خود اس کے قتل کا ذریعہ نہ بنیں، اس کا اگرچہ راقم نے مشاہدہ نہیں کیا مگر جس نے دیکھا اس نے بتایا، اور وہ للّٰہی حق کا بڑا خیال کرتے، مساجد کی تعمیر، اس کو آباد کرنے کی فکر اور دوسرے طریقہ سے اس کی خدمت میں بھی حصہ لیتے تھے، کتنی مساجد ان کے ذریعہ تعمیر ہوئیں۔

جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے انہیں قرآن پاک سے عشق تھا، اور اس کی ایسی تلاوت کرتے کہ سننے والوں کو وجد آجائے، اس کی برکت تھی کہ آخر تک ان کے حلق نے ان کا خوب ساتھ دیا، اور تلاوت میں ہمیشہ اس کے اصول وقواعد اور آداب کا خیال رکھا، مزید اس کی زیادہ تلاوت اور حفظ کے ساتھ فہم معانی وغیرہ کی نہ صرف ترغیب وتحریض کے ذریعہ کام کیا کہ بھٹکل میں اچھا قرآن پڑھنے والوں اور حفاظ کا دور دورہ ہو گیا، خود دروس وغیرہ کے ذریعہ اس کے پیغام کو بھی خوب عام کیا، ایک بار مقامی وقومی زبان نوائطی میں درس دیا دوسرا درس دونوں زبانوں میں مشترک دیا اور تیسرا درس مکمل اردو زبان میں دیتے رہے تھے جس کے ۲۱ پارے ہو چکے تھے یا ۲۱ اکیسواں پارہ جاری تھا کہ آپ اس کے مکلّف نہ رہے۔

اور جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے آپ کی چھوٹی بڑی، ظاہری وباطنی سنتوں پر

عمل ان کی اشاعت، اور حدیث شریف کی تدریس اور اس کے شغف اور حب رسول واطاعت واتباع رسول ﷺ کے ذریعہ اس پر عمل کیا، جامعہ میں تدریس حدیث کے علاوہ عام لوگوں کے لئے مسجد میں دوبار ریاض الصالحین کا درس دیا۔

جہاں تک امت محمدی علی صاحبہا ألف ألف تحیۃ وسلام کا تعلق ہے، خاص و عام مسلمانوں کے سلسلہ میں ایک ناصح امین کی صورت میں ظاہر ہوئے جس کا ان کے بڑوں کو پورا احساس تھا، اور برابر والوں اور چھوٹوں کو پوری قدر تھی ان کے بڑوں میں ایک بڑے شہر قاضی مولانا ملا محمد اقبال ندوی نے مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے متعلق جو بات فرمائی وہ ملاحظہ ہو:

''ایک آدمی کو چاہئے کہ کسی کو اپنا مشیر بنائے لیکن اس میں دو چیزیں دیکھنی چاہئیں، ایک تو آدمی مخلص ہو، اور دوسرے یہ کہ سمجھدار اور معاملہ فہم ہو، چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو میں نے مولانا عبدالباری صاحب کو اپنا مشیر بنایا تھا۔

محاسبہ نفس:

مولانا کا ایک بڑا وصف محاسبہ نفس کا تھا، بہتر سے بہتر دینی وایمانی زندگی گذارنے کی فکر وکوشش کے باوجود ڈرتے رہتے کہ اصل معاملہ قبولیت کا ہے، اور جو ذمہ داریاں لے لی ہیں ان کا حق ادا کرنے میں کوتاہی تو نہیں ہوئی ہے، جامعہ اسلامیہ جس کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر منصب اہتمام کے ذریعہ زیادہ اہمیت کے ساتھ آپڑی تھی، ان کو اور زیادہ فکر رہتی کہ حق ادا ہوا کہ نہیں، اس کا باقاعدہ اظہار اپنی علالت کے بالکل آخری ایام میں انتقال سے دو دن پہلے جامعہ اسلامیہ کے ناظم جناب ماسٹر محمد شفیع شاہ بندری صاحب سے ان کی ملاقات پر جب وہ عیادت کے لئے آئے تھے اس طرح کر دیا کہ:

''ماسٹر صاحب جامعہ کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی تھی پتہ نہیں حق ادا ہوا کہ نہیں آپ معاف فرما دیجئے۔''

یہی حال دوسری ذمہ داریوں کے تعلق سے تھا، اسی چیز نے ان کو سبھی اہل حقوق سے خوب معافی منگوائی، جامعہ کے اساتذہ سے الگ الگ اور طلبہ سے انفرادی طور پر اور عمومی طور پر معافی مانگنے کے ساتھ جامعہ کے قدیم خدام وذمہ داران سے بھی معافی مانگی، اور گھریلو معاملات میں افراد خانہ سے، جبکہ وہ ان سب کے حقوق ادا کرنے میں بڑے مستعد اور چوکس تھے، مگر اللہ کی خشیت نے انہیں انابت کے اس اعلیٰ مقام پر فائز کردیا تھا، اور وہ آیت ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۱) اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں کی سچی تصویر بن کر سامنے آگئے تھے، ان کی بلندیٔ مدارج ومراتب میں جہاں دیگر اوصاف کو دخل ہے وہاں اس اہم اور بڑے وصف کا بھی بڑا دخل ہے۔

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ثم الٰہ آبادی نے اپنے زیر تربیت بعض اہل علم واہل ذکر افراد سے کہا تم لوگوں کو دیکھتا ہوں ذکر وغیرہ خوب کرتے ہو مگر جو ترقی ہونی چاہیئے وہ نظر نہیں آتی، وجہ یہ ہے کہ تم لوگ اپنا محاسبۂ نفس کرنے میں کوتاہ ہو"۔(۲)

معمولات

نماز فجر جامع مسجد میں ادا کرتے، ان سنتوں کا اہتمام تاعمر رہا جو نماز میں قراءت سورہ وغیرہ کی ہیں، اور سورتوں کی ترتیب جو احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا کہ جمعہ کی صبح میں سورہ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ یا سورۂ جمعہ اور منافقون کے معمول میں کبھی فرق نہیں آنے دیا جس کی نصیحت انہیں قاضی شہر بھٹکل مولانا محمد احمد خطیبی علیہ الرحمہ نے اس وقت کی تھی جب وہ شروع میں امام وخطیب بنے تھے، فجر کی اذان ونماز کے درمیان وہ مطالعہ فرماتے اس کا جو نماز فجر کے بعد درس تفسیر جامع مسجد میں دینے کا معمول تھا، درس کے فوراً بعد ایک منٹ میں کوئی ایسا

---

(۱) سورہ فاطر آیت ۲۸ (۲) (۱) روایت شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم داماد ومجاز حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ وحضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ

فقہی مسئلہ بتاتے جو عوام کے لئے زیادہ مفید ہوتا، پھر اس کے بعد نوجوانوں کو تصحیح قرآن کے لئے لے کر اشراق تک بیٹھتے، غلس میں نماز ہونے کی وجہ سے اشراق تک وقت خاصا ملتا، اشراق کے بعد نماز ادا کر کے گھر لوٹتے اور گھر کا سامان وغیرہ خود لے کر جاتے ناشتہ اور ضروریات سے فارغ ہو کر جامعہ کے لئے روانہ ہوتے اور اطلاعی گھنٹی میں پہونچ کر ترانے میں شریک ہوتے، مہتمم ہونے کے بعد ان کی یہ ذمہ داری بڑھ گئی تھی کہ انتباہی گھنٹہ کا بھی خیال کرائیں، فقہ وحدیث کے گھنٹے مولانا کے ذمہ تھے جس میں فتح المعین اور عمدۃ السالک جو فقہ شافعی کی اہم کتابیں ہیں پڑھائیں فتح المعین مستقل پڑھائی اور حدیث میں ترمذی شریف اور اس سے پہلے مشکوٰۃ شریف پڑھائی اور آخر میں ادھر کئی سال سے بخاری شریف ان کے ذمہ تھے اور وہ جامعہ کے منصب اہتمام کے ساتھ منصب شیخ الحدیث پر بھی فائز تھے۔

چوں کہ مدرسہ دو وقت تعلیم کا شروع سے ہے ظہرانہ اساتذہ وطلبہ کے ساتھ ڈائننگ ہال میں سب کے ساتھ ہی تناول فرماتے پھر تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد درس کے لئے تشریف لاتے، اور یہ سلسلہ عصر کی اذان تک چلتا، عصر کی نماز اول وقت ہوتی جو شوافع کے یہاں افضل ہے، عصر کے بعد سب طلبہ واساتذہ کی شہر روانگی کے بعد وہ شہر جاتے جہاں ان کا مسکن تھا، گھر پہونچنے کے بعد زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ گھر والوں کو دیکر جامع مسجد کے لئے روانہ ہوتے، جہاں نماز مغرب وعشاء کی امامت ان کے ذمہ تھی، اور ان دونوں نمازوں میں بھی قرأت سورہ میں سنت کا خاص خیال رکھتے، برادرم محمد حاذق ندوی سے ایک بار انہوں نے فرمایا: الحمد للہ اس معمول کو پوری زندگی کبھی نہیں چھوڑا، مغرب وعشاء کے درمیان تلاوت کا معمول تھا، اور اسی میں اہل تعلق ملاقات کے لئے آتے اور وہ سب کو وقت دیتے، وہ لوگ بھی اپنی آمد اور روانگی کی خبر مولانا کو دیتے اور اپنے لئے مولانا کی دعائیں لے کر جانا باعث برکت وعافیت سمجھتے، آنے والوں میں جو دیر سے ملنے آتا مولانا

اس سے ازراہ محبت مزاح بھی فرماتے، اور اگر وہ چھوٹا ہوتا تو ازراہ شفقت کان کی لو پکڑ کر اظہار تعلق فرماتے، اور اس کو یہ خیال ہوتا کہ وہ مولانا سے سب سے زیادہ قریب ہے، اور وہ مولانا کا دلدادہ فریفتہ ہو جاتا، اس کے علاوہ کوئی مسئلہ کا حل یا رہنمائی کا طالب ہوتا تو وہ اس کی اس میں مدد کرتے، اور جو خالی وقت ہوتا وہ تلاوت وغیرہ میں لگاتے اور اس دوران کبھی شبینہ مکتب کا بھی جائزہ لیتے جو جامع مسجد میں ان کا استحکام کردہ ہے، جسے ان کے استاد مولانا محمد ایوب برماور ندوی مدظلہ نے قائم کیا تھا۔

جمعہ کے دن عصر بعد ہی جامع مسجد پہنچ جاتے اس لئے کہ مغرب سے پون گھنٹہ پہلے کالج میں تعلیم یافتہ طلبہ کے لئے قرآن مجید کے الفاظ ومعانی کی تعلیم دیتے تھے، عشاء بعد نوافل وغیرہ اور ملاقاتوں سے فارغ ہوکر گھر کے لئے سودا وغیرہ لیتے ہوئے گھر پہنچتے، جامع مسجد کے معمولات میں فرق اسی صورت میں ہوتا جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی بھٹکل تشریف آوری ہوتی۔ (روایات حاذق منیری، شریح عبداللہ، حسن حبیب ندوی)

رمضان المبارک کے معمولات

ابتدائی دو عشروں میں جامعہ اسلامیہ جانے کا معمول تھا جہاں ان کا ایک گھنٹہ کے قریب وقت گزرتا اور وہ جائزہ لے کر گھر واپس آتے، نمازوں کے معمولات محلّہ کی مسجد مسجد معاذ بن جبل اور جامع مسجد کے تھے، افطار جامع مسجد میں ہی کرتے، البتہ ابتدائی دو عشروں میں عصر بعد مسجد معاذ بن جبل میں بیٹھتے اور اہل تعلق کے ساتھ کچھ دینی مذاکرہ میں اور دعاء و تلاوت وغیرہ کے معمولات پورے کرکے جامع مسجد کے لئے روانہ ہو جاتے، آخری عشرہ پورا جامع مسجد میں دن ورات کا گزارتے اس لئے وہ اس کا وہاں اعتکاف کرتے اور ان کے ساتھ ایک جم غفیر اعتکاف کرتا، جن میں اکثر نوعمر لوگ ہوتے اور آپ کے اردگرد جمع ہوکر تلاوت کرتے جو اتنی ہو جاتی کہ بعض تعلیم یافتہ لڑکے بھی روز ایک ایک قرآن شریف ختم کرلیتے، مولانا کے معمولات کچھ اس طرح تھے کہ اشراق کے بعد ڈھائی، تین گھنٹہ آرام

کرتے، پھر مولانا عبدالرب صاحب کے درس تفسیر میں حاضری کے لئے تمام معتکفین کو خود جگاتے اوران میں جو گہری نیند میں ہوتے ان کو ازراہ محبت ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑا کرتے جو ان کے لئے باعث عزت ہوتا، اور منزل، ذکر واذکار کے بعد تلاوت میں مشغول ہوجاتے، اس طرح ظہر سے عصر تک یہی معمول رہتا، اور عصر بعد بھی تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے اس دوران کوئی اپنے حالات رکھنے، اور مسئلہ کا حل چاہنے اور دعاء کے لئے حاضر ہوتا اس کی بات سنتے اور وقت دیتے۔

افطار سے پون گھنٹہ پہلے مولانا کی مجلس معتکفین کے لئے لگتی تھی، جس میں مولانا نوجوانوں کو خاص کر مخاطب کرتے، اور ان کو کچھ احادیث اور دعائیں وغیرہ یاد کراتے، اذان کے دس منٹ پہلے اجتماعی دعا کراتے، اور افطار انہیں نوجوانوں کو لے کر کرتے، معتکفین کے ساتھ افطار کی مجلس بڑی خوشگوار مجلس ہوتی، پھر مغرب کی نماز پڑھاتے اور اس کے بعد نوافل، اوابین وغیرہ عشاء کی اذان کے قریب تک ہوتی تھی اور طول رکعت سے کام لیتے اور خشوع و خضوع ایسا ہوتا کہ ان کی نمازیں دیدہ زیب ہوتیں۔

تراویح میں جامعہ میں اچھا قرآن مجید پڑھنے والوں میں کسی دو، تین کا انتخاب فرما کر ان کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرتے، اور اطمینان سے پڑھنا پسند کرتے تھے۔

تراویح کے بعد مختصر سی چائے وغیرہ کا انتظام ہوتا، اس دوران خلیج سے آئے ہوئے اکثر حضرات مولانا سے ملاقات کے لئے آجایا کرتے، مولانا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر تلاوت میں مشغول ہوجاتے، قریب ساڑھے بارہ بجے رات کو ایک مختصر سی نشست ہوتی جس میں تفکہاً کچھ تناول کیا جاتا، پھر تلاوت میں مشغول ہوجاتے اور یہ سلسلہ نصف رات تک چلتا، پھر سوا دو یا ڈھائی بجے استراحت فرما کر اٹھتے اور تہجد کے لئے کھڑے ہوجاتے، تہجد اور ذکر و دعا کے بعد اذان سے دس منٹ پہلے سحری تناول فرماتے کہ یہ اقرب الی السنہ ہے۔

(روایت حاذق حسن منیری ندوی)

دسواں باب

سفرِ آخرت

بیماری کا آغاز اور عزیمت پر عمل

مولانا عبدالباری ندوی کا سفرِ آخرت اولیاء اللہ کے سفرِ آخرت کی یاد تازہ کرتا ہے، دیکھا جائے تو ان کے مرضِ وفات کا آغاز ان کے پاؤں کی تکلیف سے ہوا، جو اتنی بڑھی کہ اس کا تحمل دشوار ہوگیا، اور مارچ ۲۰۱۵ء میں ان کو اس کے علاج کے لئے کیرالا میں کالی کٹ میں ایک ہفتہ گذارنا پڑا، یہی زمانہ تھا جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا کیرالا کا سفر دارالعلوم اسلامیہ او چھرا کولم میں اسلامک فقہ اکاڈمی کے بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے ہوا تھا اور کالی کٹ اسٹیشن میں مولانا عبدالباری صاحب ان سے ملنے اور دعا لینے کے لئے آئے تھے، ان کے چلنے کی دشواری کو دیکھ کر ان حضرات کو تعجب بھی ہوا کہ ابھی ڈیڑھ ماہ قبل سفر جنوب ہند و بھٹکل میں ان کی اس تکلیف کا دوسروں کا احساس نہ تھا اور شاید انہیں بھی ایسا احساس نہ تھا جو بعد میں خاصا بڑھ گیا اس کا علاج مسلسل جاری رہا اور ان کے لئے بھٹکل میں اپنی دینی، اصلاحی اور دعوتی مصروفیات کی وجہ سے بار بار کیرالا آنے جانے اور علاج کے لئے کسی اور جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا، یہاں تک کہ رمضان المبارک آگیا، اور اس رمضان المبارک میں ان کا تعلق ذکر و تلاوت نماز وغیرہ سے اور زیادہ ظاہر ہوتا نظر آیا، اور قبرستان کی طرف آنے جانے کا معمول ظاہر ہوا، جو اگرچہ پہلے سے رہا ہوگا مگر اب اس کا ظہور ہونے لگا۔

آخری رمضان المبارک:

ان کے آخری رمضان المبارک کے متعلق ان کے ایک عزیز شاگرد مولوی مرفاد بھٹکلی نے جولکھاہے وہ اس طرح ہے:

''جبکہ آخری اعتکاف میں ان کے پیروں میں تکلیف تھی پھربھی مجاہدہ جاری رہا''، رات میں کم سوتے اور اتنا سوتے کہ سنت پر عمل ہوجائے، سحری سے پہلے تہجد کا معمول تھا جو آخر شب کا تھا، اور قیام رکوع وسجود سب بڑے اطمنان سے کرتے، اور اول شب نماز عشاء کے بعد تراویح کی سنت بیس رکعات کا پورا اہتمام رہتا، چونکہ حافظ نہیں تھے حالانکہ قرآن مجید جگہ جگہ سے اچھا یاد تھا، تراویح سناتے نہیں سنتے تھے، دعاؤں میں بڑا انہاک ہوتا، آخروقت سحری کرتے اور سحری سے فارغ ہونے کے بعد اذان نماز مطالعہ تفسیر اور پھر درس تفسیر وغیرہ کے بعد بچوں کا قرآن مجید سننے کا معمول، اشراق، چاشت وغیرہ کی مواظبت اور پھر تھوڑی استراحت، استراحت کے بعد وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر تحیۃ المسجد اور تلاوت ومطالعہ کتب وغیرہ، اس دوران لوگوں سے ملاقات وغیرہ، اور مسئلہ مسائل بتانا جس کے لئے لوگ آپ کے پاس آکر تشفی حاصل کرتے تھے، دوپہر کی اذان تک یہ معمول رہتا، پھر ظہر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت اور قیلولہ پھر عصر کی نماز کے لئے اٹھ کر نماز کے بعد قرآن کی تلاوت میں رہتے، افطاری سے ایک گھنٹہ پہلے معتکفین کو جمع کرتے کوئی اصلاحی کتاب پڑھ کر اس کو اچھی طرح سمجھاتے پھر دوران مجلس سوالات وغیرہ کرتے، پھر چھوٹی چھوٹی منتخب احادیث کو یاد کرواتے پھر دوسرے دن سنتے تھے، مغرب کی اذان سے دس منٹ پہلے اجتماعی دعا کرتے، پھر افطار کے بعد مغرب کی نماز سے فارغ ہوجاتے پھر اوابین کا معمول تھا، اور عشاء سے پہلے کھانا تناول فرماتے، اور عشاء کے بعد تراویح پڑھتے، اور اچھی قرأت واطمنان سے تروایح سنتے تھے اور تراویح کے بعد لوگ آپ کے اردگرد جمع ہوجاتے پھر چائے کی مجلس لگتی اور لوگوں سے ان کی خیر خیریت دریافت کرتے، پھر طویل رات تک قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے

اسی دوران کوئی خصوصی گفتگو وغیرہ کے لئے آپ کے پاس آتا یا مسائل وغیرہ کے بارے میں گفتگو کرتا ایک ایک کی ضرورت کو پورا کرنے کا خیال رکھتے تھے"۔

رمضان المبارک میں ان کے خطبات، دعائیں، نصائح، سبھی آخرت اور یوم الحساب کی طرف متوجہ کرنے والے اور دنیا کی بے ثباتی اور فنا کو یاد کرانے والے اور اللہ سے تعلق بڑھانے والے اعمال کو اختیار کرنے کی طرف رغبت اور شوق دلانے والے تھے، حالانکہ آپ کا یہ انداز شروع سے تھا، جس میں اب زیادہ محسوس کیا جانے لگا تھا، یہ بات عیدین کے خطبوں میں اور زیادہ ظاہر ہوتی نظر آئی، جیسا ایک جانے والا اپنے متعلقین پر یہ اطمنان کر لینا چاہتا ہے، کہ میرے بعد عقیدہ توحید، طاعت وعبادت میں اخلاص پر جمے رہیں گے۔

رمضان کے بعد:

رمضان المبارک کے بعد بھی نمازوں سے ان کا شغف ان کے دیکھنے والے یہ بتاتے ہیں کہ پیروں میں شدید تکلیف کے باوجود کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا نہایت دشوار ہو گیا تھا تو بھی فرض نماز کھڑے ہو کر ہی پڑھتے اور کھڑے ہو کر ہی جمعہ کا خطبہ دیتے اور اس طرح آخر تک جب تک کھڑے ہونے پر قادر رہے، اس کا اہتمام رکھا کہ مسجد اور نماز کے سبھی معمولات قائم رہیں بچوں پر شفقت و پیار کی سنت کو بھی انہوں نے صحت و بیماری دونوں میں قائم رکھا، اور کمزور و معذور افراد کی خیریت وغیرہ دریافت کرنے کا معمول بھی دونوں حالتوں میں یکساں قائم رہا، آخر میں ان کو جب صحت سے بالکل مایوسی ہو گئی تھی اور یقین ہو گیا تھا کہ اب وقت موعود قریب ہے، مقامی طور پر جن سے معاملات پڑے یا ربط وتعلق رہا، یا ان کو محسوس ہوا کہ فلاں کو کوئی شکایت تو نہیں ہے، ایک ایک سے معافی کے خواستگار ہوئے، اور نہیں چاہا کہ آخرت کے لئے کچھ باقی رہے، جب ان کے لئے لا علاج مرض کا انکشاف ہوا تو ان کا ایمان ویقین تھا کہ انہوں نے معلوم ہو جانے کے باوجود اپنے اعصاب کو قابو میں رکھا، اور تسلیم ورضا کا پیکر بن گئے، اور دوسروں کو یقین دلانے لگے کہ سب کچھ اللہ کے ہی

اختیار میں ہے وہی مرض دیتا ہے وہی شفا دیتا ہے، اس کے یہاں چھوٹا اور بڑا مرض، معمولی اور سنگین مرض، علاج والا اور لا علاج مرض کچھ نہیں، باقی اللہ کو جب تک جس سے جتنا کام لینا ہے وہ لے لیتا ہے، اور پھر جس کے حصہ میں جو ہوتا ہے اس سے وہ لیتا ہے یہ مولانا کی عزیمت واستقامت تھی کہ جمعہ کے معمول میں اعصاب کو جھنجھوڑنے والے حالات نے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دی، البتہ اسپتال کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور دوسرے شہروں میں قیام اختیار کرنا پڑا، تو پھر ان کی ذمہ داریاں ان کے نائبین نے سنبھال لیں، اور ان کی توجہ اللہ کی طرف اور یوم آخرت کی طرف مسلسل بڑھتی چلی گئی، اور دل کا یہ یقین واستحضار زبان پر بھی آنے لگا کہ کارساز حقیقی اللہ رب العالمین ہی ہے، کوئی چیز اتفاقی نہیں ہے، یوں ہی ہو گئی یا کسی کے کرنے سے ہوئی ایسا نہیں بلکہ سب کچھ ایک طے شدہ نظام کے تحت ہو رہا ہے جو اللہ رب العالمین نے روز اول سے طے کر رکھا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا وصف یہ سامنے آیا کہ ایسے حالات میں انسان کو اپنی فکر ایسی دامن گیر ہو جاتی ہے کہ دوسرے کی طرف نگاہ نہیں اٹھتی اور اپنی تکلیف کے آگے دوسرے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، برابر یہ بات مشاہدہ میں بھی آئی اور سننے میں بھی آتی رہی ہے کہ انہیں دوسرے کی فکر اپنی فکر سے زیادہ دوسرے کی تکلیف کا احساس اپنی تکلیف کے احساس سے زیادہ رہا، اور دوسرے کی راحت کا خیال، اور احسان کا خیال چاہے اس نے صرف عیادت کے لئے آکر اظہار تعلق کی شکل میں کیا ہو، جیسا ہمیں ان کے دو عزیز شاگردوں قاری حشمت اللہ رکن الدین نواب ندوی اور برادر عزیز مولوی یحی برماور ندوی (مقیم قطر) کے حوالہ سے معلوم ہوا جو ان کے آخری یوم حیات دنیوی میں ملنے پہنچے تھے، اور چند گھنٹوں کے بعد انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

وہ اپنے تعلق والوں، محلہ والوں، لڑکوں، کو پیار دیتے اور یاد کرتے اور حال چال معلوم کرتے تھے، مولانا کے وہ معمولات جو گھر سے متعلق اور دوسروں کے متعلق تھے وہ ان کی

ادائیگی کرتے رہے اس وقت تک جب تک بیماری کا غلبہ نہیں ہوگیا۔

مولوی عبدالنور فکردے ندوی کہتے ہیں کہ والد صاحب مرحوم مسجد سے صبح کے معمولات سے فارغ ہوکر گھر آتے اور گھر کے لئے چیزیں لے کر آتے، اور جامعہ جانے کے لئے آدھ گھنٹہ جو بچتا تھا اس میں وہ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر جامعہ وقت پر پہونچ کر شام کو ۵ ربجے گھر واپس آتے، مہمان وغیرہ ہوتے تو اور کچھ وقت لگ جاتا، اور گھر میں کچھ وقت دے کر پھر مغرب کی نماز کی امامت کے لئے جامع مسجد قدیم بمشکل جاتے، مغرب سے عشاء کی نماز پڑھا کر گھر آتے اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر والدین کو سلا کر خود سو جاتے، اور رات کو جلدی اٹھ کر معمولات پورے کرتے، اس طرح ان کی زندگی گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے پورے خیال کے ساتھ قوم وملت کے لئے پوری طرح وقف رہی۔

ان کا دماغ آخر تک مستحضر رہا، اور ادائیگی حقوق کی فکر سے وہ کبھی غافل نہ ہوتے، چنانچہ گھر کے بچوں میں نواسے نواسیاں آئیں تو بہت شفقت و پیار کرتے، ان کو بلواتے، اور محبت وشفقت کا ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے، حالانکہ آخر میں تو دیکھنے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا تھا، صرف تین دن پہلے ایک ایسے متعلق شخص آئے جس کے کچھ احسانات تھے تو ان کے احسانات گنا گنا کر شکر گزار ہوتے رہے، اسی طرح خدمت کرنے والوں کے لئے محبت و تعلق کا بڑا اظہار کرتے، آخر کے تین مہینہ ان کے داماد بلال رکن الدین زیادہ خدمت میں رہے، تو فرمانے لگے کہ تم ہمارے چوتھے بیٹے ہو، انہوں نے مولانا کے آخری دودن کے تعلق سے کہا کہ پورے ڈیڑھ دودن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اللہ، اللہ سے زبان تر رہی، قرآن مجید کے اگرچہ حافظ نہیں تھے مگر وہ اتنا مستحضر تھا کہ منگلور کے مدرسہ کے دولڑکوں کو اس وقت لقمہ دیا، جب انہوں نے سورہ بقرہ پڑھنے میں غلطی کی، نماز وطہارت کا برابر ہر حال میں خیال رہا، اور وقت پر نماز ان کی اول ترجیح رہتی، ایک دن پہلے اپنے دونوں نواسوں عبدالرحمٰن اور عثمان سے باتیں کرتے رہے، اور شفقت و پیار دیتے رہے۔ گزشتہ سال جو جامعہ اسلامیہ میں ان کی

خدمات کا آخری سال ثابت ہوا عصر بعد دینی مجلس کا اہتمام ہونے لگا تھا، اور کتاب پڑھی جاتی تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سیرت پاک پر معروف ومقبول عام کتاب ''رہبر انسانیت'' بھی پڑھی گئی۔

اساتذہ میں جو مجلس میں بیٹھتے ان میں نائب مہتمم مولانا مقبول احمد کوبٹے ندوی حال مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل، اور مولانا محمد افضل صاحب ندوی، مولانا نعمت اللہ عسکری ندوی، اور مولانا عبدالعلیم اسمٰعیل خطیب ندوی حال خطیب امام جامع مسجد بھٹکل خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ سلسلہ جامعہ کے تعلیمی سال ۱۴۳۶ھ کے اختتام ماہ شعبان المعظم تک رہا، حالانکہ مولانا کو ٹانگوں کی تکلیف جاری تھی لیکن دین کی فکر اس پر غالب تھی۔

پھر کچھ دنوں کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ آگیا، اور اس ماہ مبارک میں مولانا کی جو مصروفیت ومشغولیت تھی اس کا ذکر گزشتہ سطروں میں گزر چکا ہے۔

شوال میں جامعہ کے نئے سال کا افتتاح ہوا، مولانا کا معمول تھا کہ افتتاحی سال میں طلبہ سے ایک خطاب فرماتے، اور انہیں راہ عمل اور تعلیم کا مقصد اور آداب زندگی کی تلقین کرتے مولانا نے اس معمول کو پورا کیا، اور اپنے وہ گھنٹے جو ششم عربی میں فتح المعین اور ہفتم عربی میں ترمذی ثانی اور ہشتم عربی میں بخاری شریف کے ابتدائی ابواب، معمول کے مطابق لئے۔

مولانا ماہ نومبر ۲۰۱۶ء مطابق محرم الحرام ۱۴۳۷ھ تک تدریسی ذمہ داری نبھاتے رہے، بلکہ جب اس بیماری کی رپورٹ آئی جو مایوس کن تھی تو اس کا ظاہری اثر انہوں نے نہیں لیا، اور پڑھانے کا اور اسی طرح جامع مسجد کی امامت وخطابت کا سلسلہ بھی جاری رکھا، لیکن صحت گرتی جارہی تھی، بالآخر محرم الحرام کا مہینہ ان کے تعلیمی ودعوتی کاموں کے باضابطہ جاری رہنے کا آخر ہوا، البتہ انہوں نے سلسلۂ علاج ومعالجہ جاری رکھا، اور یہ امید تھی کہ ان کو ان شاء اللہ صحت مل جائے، جبکہ معالجین کو امید نہ تھی۔

اس کے بعد پھر مولانا کا قیام منگلور اور پھر بنگلور رہا، ماہ دسمبر رصفر المظفر میں وہ بنگلور

میں زیر علاج تھے اور جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا سفر بنگلور آخر دسمبر جنوری کے پہلے ہفتہ میں قیام کی شکل ہوا، اور یہ ماہ ربیع الاول کا دوسرا عشرہ تھا حضرت مولانا اپنے اس قیام بنگلور میں اپنے رفقاء کے ساتھ دوبار عیادت کو تشریف لے گئے، مولانا حضرت کو دیکھ کر ایسے مسرور ہوئے کہ جیسے بیماری غائب ہوگئی ہو، اور اس کا اظہار بھی کیا، دوسری ملاقات میں پہلی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ نیند بالکل نہیں آرہی تھی آپ کی تشریف آوری کے بعد اچھی نیند آئی، کسے معلوم کہ صرف ایک ماہ دس دن کے بعد وہ اپنے مالک حقیقی کے حضور میں حاضر ہوں گے اور حضرت سے ان کی یہ ملاقاتیں آخری ملاقاتیں ہوں گی، ان سے اس دوسری اور آخری ملاقات میں جو ان کے بہنوئی اشفاق صاحب کے مکان پر ہوئی تھی مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، مولانا بلال حسنی ندوی، مولانا اسمٰعیل بھولا ندوی سید سبحان ثاقب ندوی بھٹکلی، مولانا سید شبیر ندوی بنگلوری اور راقم السطور بھی ساتھ تھا۔

مولوی عبدالاحد کی روایت

مولوی عبدالاحد عبدالباری ندوی جو مولانا کی خدمت و تیمار داری میں مسلسل رہے ان کے آخری ایام کے متعلق کہتے ہیں:

سب سے پہلی اور بڑی صفت ان کے اس مرض کے دوران میں نے محسوس کیا وہ صبر وشکر ہے، صبر کے وہ پہاڑ تھے، تقریباً تین ماہ بیمار رہے مگر زبان پر حرف شکایت نہ تھی، وہ کہتے "الحمدللہ" "الحمدللہ" ڈاکٹر کچھ پوچھتے تو کہتے "الحمدللہ" آخر میں جان عبدالرحمٰن صاحب آئے تھے انہوں نے پوچھا کیا تکلیف ہے؟ فرمانے لگے کچھ بھی تکلیف نہیں، اور انتقال سے ایک رات پہلے کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب آئے تو کہا آپ کو کیا تکلیف ہے؟ فرمایا: کچھ تکلیف نہیں، بلکہ خود دریافت کرنے لگے کہ آپ کیسے ہیں ان کا خاص معمول تھا کہ ڈاکٹر صاحبان کے سوال واستفسار پر پہلے ہی خود ان سے سوال کرتے اور خیریت دریافت کرتے، پوچھتے آپ کیسے ہیں؟ آپ نے کھانا کھایا؟ ڈاکٹر صاحب کو تعجب ہوتا کہ یہ تو ہمارے پوچھنے کی بات ہے

اور پوچھ رہے ہیں۔

آخر میں جب منگلور ہاسپٹل میں داخل کئے گئے جب انہیں بے چینی بہت بڑھ گئی تھی، بے چینی کے عالم میں بھی جو الفاظ نکلتے وہ تھے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ،لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ،تکلیف کے باوجود بڑی آواز سے یہ کلمات ادا کرتے، پوری پوری رات کلمہ کے ورد میں گزار دیتے،آخری رات سے قبل کی رات میں عربی میں خطبہ بھی تیمارداروں کے سامنے دیا،جس کا خلاصہ یہ تھا کہ دنیا کی زندگی باقی رہنے کی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا کے اندر کلمہ طیبہ کو عام کرنے کے لئے بھیجا ہے،اسی دن صبح کو فجر کے بعد اذان بھی دی،اور عید کی جو تکبیر ہوتی ہے وہ تکبیر بھی کہی،تو اس طرح سے آخری ہفتہ جو بے چینی میں تھا کھانا پینا بھی آسانی سے نہیں ہو رہا تھا اس کے باوجود زبان پر مسلسل شکر کے کلمات جاری رہتے اور دل کیفیت شکر سے معمور رہتا،اور صبر تو آخری درجہ کا تھا، کوئی حرف شکوہ زبان پر نہ آتا،اور دوسری طرف اپنا محاسبہ کرتے،اور کسی کسی وقت مناجات کے انداز میں کہتے: کہ اے اللہ! میرے بعد میرے ماں باپ کا سہارا کون بنے گا؟، کچھ دن پہلے انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ میں اپنے والدین کی خدمت کرتا ہوں میں ان کا کچھ سہارا بن رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہمیں درمیان سے ہٹا کر دکھارہے ہیں کہ تم ان کے لئے سہارا نہیں ہو، میں ان کا سہارا ہوں ، ایک روز ایک لمبی دعا کرائی جس کا تذکرہ مولانا ہاشم صاحب ندوی نے بھی کیا ہے،ان کی بہن یعنی میری والدہ ماجدہ اور میرے بھائی مولوی عبدالبدیع ندوی وغیرہ بھی تھے ایسی دعا تھی جو میں الہامی سمجھتا ہوں ایسے ایسے جملے نکلے کہ وہ ہمارے تصور سے باہر ہیں، صحیح طریقہ سے بات نہیں کر پارہے تھے، میں نے عرض کیا والد صاحب آپ کو رات میں نیند دو تین گھنٹہ آئی تھی، میں نے خوش کرنے کے لئے یہ بات کہی، بہت خوش ہوئے کہ مجھے نیند آئی تھی، الحمدللہ، الحمدللہ،اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور تقریباً ۱۵ منٹ تک اٹھائے رکھا،اور پھر

رورو کر خوب دعائیں کیں، اور اس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال کا واسطہ دیا، کہ اے اللہ میں نے تیرا دین پڑھایا ہے، لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں پڑھایا تھا، آپ کو خوش کرنے کے لئے پڑھایا تھا، اے اللہ میں نے پوری زندگی حلال روزی کمائی، اور حلال روزی سے گھر کی کفالت کی اور بچوں کو پالا، اور میرے ماں باپ کا تیرے سوا کوئی سہارا نہیں ہے، اور کیا کیا الفاظ تھے جس میں یہ بھی تھا کہ اے اللہ میرے لئے موت کی سختی کو آسان کردے، اے اللہ تو میرے ماں باپ کے لئے سہارا بن جا، ماں باپ کا تذکرہ آخر تک کرتے رہے، اور جب بھٹکل میں رہتے تھے تو رات جتنی ہوجائے، بارہ بج جائے کہ کسی پروگرام وغیرہ کی وجہ سے تاخیر ہوجاتی تب بھی آتے ہی سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کے پاس بیٹھتے اور دعا، اوراد وغیرہ پڑھ کر دم کرتے اس سے پہلے نہیں سوتے تھے، کبھی غلطی سے سوگئے تو وہ ان کو جگا کر بلاتیں کہ تم نے دم نہیں کیا اور فرماتیں پڑھ کر دم کرکے سوجاؤ، اور وہ ایسا کرتے اور دم کرکے جاکر سوتے، اسی طرح سے ان کے ایمان ویقین کو سمجھنے کے لئے، یہ بات بھی واقعہ کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر مگر کی باتیں علاج وغیرہ کے سلسلہ میں ہوتی ہیں، کہ فلاں علاج ہوتا یا فلاں اچھا ڈاکٹر ہے اس کو دکھاتے، یا علاج ٹھیک نہیں ہورہا ہے، زیادہ اچھی جگہ علاج کراتے، طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا اگر تم سے کوئی کہے کہ فلاں ڈاکٹر سے علاج کراؤ، یا ایسا کرتے، تو تم صرف کہہ دینا کہ اگر مگر تقدیر پر ایمان کو ختم کردینے والی بات ہے اور تو یعنی اگر مگر شیطان کا دروازہ کھولتا ہے، جبکہ وہ ایسا کہنے والوں سے ناراض اس لئے نہ ہوتے کہ وہ جذبہ ہمدردی سے ایسی باتیں کہہ رہے ہیں، چنانچہ ان کی اہلیہ (میری والدہ ماجدہ) اسی پر عمل کرتیں، اور اپنے شوہر کے حوالہ سے ایسا کہنے والوں اور والیوں سے کہتیں، کہ لو (اگر مگر) کی بات نہ کرو اس سے شیطان کا دروازہ کھل جاتا ہے، یہ ان کا آخری درجہ کا ایمان ویقین تھا، تقدیر پر ایمان تھا کہ اس بے چینی اور تکلیف میں ایمان کا ایسا خیال۔

یہ آخری ہفتہ کی باتیں تھیں جو دوسروں کے ایمان ویقین کو بڑھانے اور تازہ کرنے والی تھیں۔

مولانا سید ہاشم ندوی کی روایت:

مولانا سید ہاشم ندوی جو مولانا کے خاص تربیت یافتہ شاگرد اور برادر نسبتی ہیں آپ کے آخری ایام کے حالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مولانا نے موت کا استقبال کیا، جو کیفیات میرے مشاہدہ میں آئیں وہ موت کے استقبال کی تھیں، چند دن پہلے کی بات ہے انہوں نے اپنے اہل خانہ اہلیہ، اولاد، داماد وغیرہ کے ساتھ جو دعا کی ہاتھ اٹھا کر جب کہ ہاتھ اٹھانا محال تھا، منھ تک گلاس نہیں اٹھتا تھا مگر کیا روحانی طاقت تھی کہ دیر تک ہاتھ اٹھے اٹھے رہ گئے، ان کے بیٹے مولوی عبدالاحد نے پوچھا ابا آپ رات اطمینان سے سوئے ہیں، چہرہ پر ذرا انکسار لگتا ہے، کہنے لگے الحمدللہ، الحمدللہ اور جو ۱۵ ارمنٹ کی دعائیں کیں، اور اللہ کے سامنے جو باتیں رکھیں، اس میں ایک پیغام ملتا ہے''،

انہوں نے یہ بات بھی کہی کہ میرے بوڑھے والدین ہیں، اور میں ہی ان کے کام آسکتا تھا، وہ تیرے حوالہ ہیں، اور تو ان کی لاج رکھ لے، شاید ان کے والدین یہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ ان کا سہارا ہیں، اللہ نے بتایا سہارا کسی کا نہیں صرف اللہ کا ہے، اور وہ پیغام دے گئے کہ میں اپنے والدین اور اولاد و اہل خانہ کو تیرے حوالہ کر رہا ہوں۔

مولانا کی والدہ نے ان کی وفات سے تین دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ ان کے بیٹے مولانا عبدالباری صاحب کا جنازہ ان کے گھر میں ہے، چنانچہ جب ان کے انتقال پر خواتین گھر آنے لگیں تو وہ سمجھ گئیں کہ حادثہ پیش آگیا ہے، جنازہ آنا باقی ہے، چونکہ انتقال منگلور میں ہوا تھا اس لئے بھٹکل پہنچنے میں کچھ وقت لگنا لازمی تھا۔

مولانا کے بھائی برادر گرامی جناب یاسر صاحب نے مجھ سے بتایا کہ وفات سے دو دن قبل کوئی اور نہیں تھا کہنے لگے مجھے اللہ کی ذات پر سو فیصد یقین ہے (اور یہ تین مرتبہ کہا)

انشاءاللہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے گا۔

وہ جاتے جاتے ایمان ویقین کا درس دے گئے، دعوت کا درس دے گئے، ایک نرس کو کلمہ کی تلقین کی، اس سے یہ کہا کہ اگر تو چاہتی ہے کہ ہمیشہ کا سکون ملے تو ہمارا اسلام یہ ہے، اور پوری دعوت دین کی دی، آخری دو دن کی کیفیات تھیں کہ زبان پر سوائے اللہ کے لفظ کے، محمد رسول اللہ کے، لا الہ الا اللہ کے اور کچھ نہیں تھا، زبان ذکر اللہ سے تر تھی۔

ایک دن پہلے ان کی کیفیت یہ بھی نظر آئی کہ کہتے مسئلہ بہت مشکل ہے، آسان نہیں ہے، جھوٹا پریشان کرتا ہے، بات دوسروں کے سمجھ میں نہیں آئی کیا کہہ رہے ہیں، لیکن صاف محسوس ہوا کہ وہ شیطان سے اعراض کرر ہے ہیں، مجھے بعض بزرگان دین اور بڑے علماء دین کی آخری وقت کی کیفیات میں ایسا ملتا ہے، لیکن جو پوری زندگی اچھا اور سچا مسلمان بننے کی فکر و کوشش میں رہتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایسے موقع پر خصوصی نصرت ہوتی ہے، جس کا اشارہ ذیل کی آیت میں واضح طور پر ملتا ہے۔

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ ،وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورہ آل عمران، آیت ۱۰۲)

[ترجمہ: کہ اے ایمان والو! اللہ کا پاس ولحاظ رکھو جیسا پاس ولحاظ رکھنے کا حق ہے اور دنیا سے اس حال میں جانا کہ تم مسلمان ہو۔]

دین ان پر ایسا غالب تھا کہ ان کا دل ودماغ، اس کے علاوہ کسی اور طرف مائل ہی نہ تھا، آخری دن کی کیفیات بھی عجیب تھیں، صبح دبئی میں مقیم کچھ احباب ملنے آئے، فجر کا وقت تھا صبح ۶ ر بجے ۵-۶ لوگ آئے، وہ پہچان نہیں پا رہے تھے، مشکل سے سمجھے کہ فلاں فلاں لوگ ہیں، کہنے لگے کیوں آئے ہیں، پھر خود ہی کہا محبت محبت کہ محبت کھینچ کر لائی ہے، حال یہ تھا کہ گزشتہ رات تھوڑا بھی نہیں سوئے تھے، لیکن زبان پر اللہ اللہ، اور محمد رسول اللہ پورے دن رہا۔

نرس کا واقعہ بھی عجیب ہے، اس کے آتے ہی سخت بے چینی کی کیفیات طاری ہوئیں،

وہ برابر یہی چاہتے تھے کہ نرس نہ آیا کرے، ایسی بے چینی ہوئی کہ نرس کو باہر جانا پڑا، اور جو کچھ کام کیا وہ گھر کے لوگوں نے کیا، اس لئے کہ ان کے سامنے کچھ اور منظر تھا۔

انتقال سے ۱۵-۲۰ منٹ پہلے کی بات ہوگی میں ساتھ تھا کہ سورہ یٰسین پڑھ رہا تھا میرا ہاتھ پکڑا، اپنے ملا اور اپنے ہاتھ سے میرے چہرہ پر پھیرا۔

میری بہن یعنی ان کی اہلیہ نے شہد دیا تو اپنے ہاتھ سے منھ میں رکھا، اور اس طرح اس سنت پر بھی عمل ہوا کہ ۲۰ منٹ پہلے ان کی اہلیہ نے شہد کے ذریعہ سے مسواک کرایا، ام المومنین حضرت عائشہؓ نے آنحضور ﷺ کو جو مسواک کرائی تھی وہ مسواک خود کر چکی تھیں، اس پر وہ اللہ کی بہت حمد و شکر بیان کرتی تھیں۔

گھر کے افراد کا تذکرہ اور والدہ و والد، اہلیہ، اولاد اور ان سب کے ساتھ میرا نام بھی لیا، اس طرح ادائیگی حقوق کا ایک آخری حق بھی ادا کیا، ان کی کیفیت عجیب تھی، وہ چاہتے تھے کسی کا حق باقی نہیں بچے، اور حتی الامکان انہوں نے سب سے معافی تلافی بھی کی، جبکہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ سب کے ساتھ محبت و رحمدلی سے پیش آنے والے اور کسی کا حق اپنے اوپر رکھنے والے نہیں تھے۔

ان کی مرض وفات میں جو کیفیات اور احوال ظاہر ہوئے استاذ محترم مولانا خلیفہ عبدالعزیز بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے (جو ابھی ایک ماہ قبل ان سے مل کر آئے تھے) کہا کہ ہم نے بہت بڑے بڑے لوگوں کے احوال دیکھے اور سنے مولانا عبدالباری صاحب کے احوال بڑے قابل رشک تھے، جو ان کی محبوبیت و مقبولیت کے شکل میں ظاہر ہوئے، دعاؤں کی شکل میں اور دوسرے انداز سے ظاہر ہوئے، جس کا ظہور لوگوں کے ساتھ کم دیکھا اور سنا گیا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا آخری لمحات میں ایسے حال میں نظر آ رہے تھے کہ جیسے وہ کسی غیر مرئی مخلوق فرشتوں کا نظارہ کر رہے ہوں اور صرف موت کا نہیں موت کا پیام لانے والے کا استقبال کر رہے ہوں، ان کا تبسم اور مسکراہٹ جو سامنے کسی شخص کے نہیں تھا صاف محسوس

ہوتا کہ کسی اور کے سامنے ہے۔

لقاء الٰہی کے اس شوق کے ساتھ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے اس جملہ سے بڑی طاقت اور تسلی ملی جو انتقال پر فون پر مجھ سے تعزیت کرتے ہوئے فرمایا کہ انشاء اللہ ان کا جنت میں بڑا بلند مقام ملے گا۔

انتقال کے بعد چہرہ جوانی کا چہرہ تھا، بتانے والوں نے بتایا جیسے مسکرا رہے ہوں، اللہ نے ان کو اچھا تنومند جسم دیا تھا، بڑے شکیل وجیہ اور بہت صاف رنگت کے تھے، بیماری میں جسم متاثر ہو گیا، لیکن وفات کے بعد ایسے دیکھے گئے جیسے پہلے کے مولانا عبدالباری ہیں۔(۱)

مولانا عبدالعزیز خلیفہ ندوی بھٹکلی فرماتے ہیں کہ کسی ادارہ کا کوئی ماڈل اور نمونہ ہوتا ہے، جس کو ادارہ کے قیام اور مقصد کی کامیابی میں پیش کیا اور دیکھا سنا جاتا ہے، ندوۃ العلماء کی رہنمائی وسرپرستی میں جامعہ اسلامیہ نے اپنی خدمات پیش کیں، اس کا شاہکار نمونہ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم ہیں کہ اس سوال کے جواب میں جامعہ نے اب تک کیا کیا، مولانا عبدالباری کی شخصیت پیش کردی جائے گی، کہ انہوں نے اپنے بزرگوں سے جو پیغام لیا اس پر پہلے خود چل کر دکھایا، اور جو پیغام دیا پہلے خود اپنے کردار سے اس کو پیش کیا، چوں کہ مولانا کی جامعہ کے لئے ندوہ میں رہتے ہوئے روز اول سے خدمات رہی ہیں اس لئے ان کی ہی شہادت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

مسافر آخرت کے سفر کا حال ایک مشاہد کی زبانی:

مولانا عبدالباری ندوی کا جنازہ ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، پانی کے بحر کے ساحل پر انسانوں کا سمندر تھا، ان کے ایک شاگرد مولوی سید احمد سالک برماور ندوی نے اس کا حال اپنی زبان سے جو بیان کیا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

---

(۱) بشکریہ محمد سفیان ندوی بھٹکلی

''ایک ایسی خبر جس نے ہر سننے والے کے ہواس باختہ کیئے، ہر ہوشمند کے ہوش ٹھکانے لگائے، ایسی خبر جس کے سننے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا، یہ مولانا عبدالباری ندوی کی وفات کی خبر تھی، مولانا کا ہشاش بشاش چہرہ کس کو اپنی طرف راغب نہ کرے، ان کی شخصیت میں ایسی کشش تھی جس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی، ایسی شخصیت جس کے چرچے پورے ہندوستان میں تھے، ایسے خطیب جن کے ناصحانہ مواعظ دیر تک یاد رکھے جائیں گے، علماء کی سرزمین بھٹکل میں موجود سینکڑوں علماء کے قائد خطیب قوم حضرت مولانا عبدالباری ندوی ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔

۵۴ سال کی عمر میں مولانا نے اپنی تمام تر مصروفیات کے ساتھ علمی، دعوتی و اصلاحی میدان میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کے باب کا ایک حصہ بن گئے ہیں، مولانا کے انتقال سے جہاں جامع مسجد بھٹکل کے محراب و منبر سے گونجنے والی دلسوز، دلگداز آواز خاموش ہوگئی ہے، وہیں اہل بھٹکل کا ہر فرد غم و اندوہ کی تصویر بنا ہوا ہے، علمائے قوم، مصلحین ملت، طلبہ اور تاجر برادری اور گھروں میں موجود پردہ پوش خواتین ہی نہیں بلکہ ہر بچہ، ہر جوان، ہر بوڑھا ان کی رحلت پر ماتم کناں ہے، شہر کے ہر گلی کوچہ، جامعہ کے بام و در، جماعت المسلمین کے درودیوار، جامع مسجد کی اینٹ اینٹ پر سناٹوں کا راج ہے، ہزار کاندھوں پر ان کا جنازہ کلمۂ توحید کی دلسوز صداؤں کے ساتھ پرانے شہر کی گلیوں سے ہوتا ہوا شہر کی جامع مسجد پہنچا دیا گیا۔

جلوس جنازہ میں انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر بارگاہ ایزدی میں ان کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل تھا، نوجوان، بچے، عمر رسیدہ لوگ، برقعہ پوش خواتین سبھی ان کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بے چین تھے جس کا اندازہ لگانا دشوار ہے، ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ان کے شاگردوں کا حال برا تھا ہی ساتھ میں ان کے دروس سن کر متاثر ہونے والے اور ان کے مواعظ سے عبرت لینے والے بھی دکھی تھے، ہر آنکھ نم، ہر دل مضطرب، ہر سانس رکی رکی نظر آرہی تھی، بھٹکل کی سرزمین نے ایسا جنازہ پہلی بار دیکھا اور آگے دیکھنا شاید

کبھی نصیب نہ ہو، (ساڑھے گیارہ) بجے دن کو ہزاروں فرزندان توحید نے ان کی مغفرت کی دعا کی، مولانا کے آخری سفر کا یہ منظر کتنا رلانے والا تھا یہ تو ہر آنکھ نے دیکھا، بوجھل ہاتھوں سے مسافر آخرت کا یہ کارواں ساڑھے ۱۱ بجے دن کو مولانا کی آخری آرام گاہ تک پہنچا، اور یہ تھکا ہارا مسافر جنت کے باغوں میں پاؤں پھیلا کر ہمیشہ کے لئے سو گیا۔

پچھلے تین ماہ سے ان کی علالت کی خبر پھیلنے کے بعد ان کے چاہنے والوں نے ان کی صحت یابی کے لئے دعاؤں کا جو سلسلہ جاری رکھا تھا، وہ سلسلہ ۱۷ رفروری ۲۰۱۶ء شام پانچ بجے کے بعد ان کی بلندئ درجات کی دعاؤں میں تبدیل ہو گیا، رات قریب نو بجے ان کا جسد خاکی بھٹکل لایا گیا، جہاں سوگواروں کی ایک بھیڑ نے اشکبار آنکھوں سے ان کا استقبال کیا، تین دہائیوں سے قرآن مجید کی روشنی عام کرنے والے اس عاشق قرآن کا جنازہ ۱۸ رفروری ۲۰۱۶ء کو صبح دس بجے آخری آرام گاہ کی طرف لے جایا گیا جہاں صبح ساڑھے گیارہ بجے ان کے چاہنے والوں نے اپنی نمناک آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے انہیں الوداع کہا۔(۱)

جنازے کے ایک دوسرے مشاہد اور مولانا کے عزیز شاگرد مولوی سید سحبان ثاقب ندوی رقم طراز ہیں:

''مولانا کے جنازہ میں لوگوں کا ہجوم مولانا کی کھلی ہوئی کرامت کا ظہور تھا، اور اہل حق کا ہر زمانہ میں یہ امتیاز رہا ہے کہ ان کے جنازوں پر اہل ایمان جوق در جوق جمع ہوتے ہیں، تاریخ اسلام میں امام احمد ابن حنبل کا جنازہ اپنی مقبولیت اور شہرت میں لاثانی رہا ہے، امام احمد نے معتصم کے دربار میں اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل ظاہر کی تھی کہ ہمارے جنازے گواہی دیں گے، لوگوں نے دیکھا کہ خلیفہ وقت معتصم کو دفنانے والے چار لوگ تھے، اور امام وقت امام احمد کا جنازہ صبح کا چلا ہوا سورج غروب ہوتے وقت اپنے مستقر پر پہنچا، ہمارے حضرت مولانا عبد الباری صاحب کا جنازہ بھٹکل کے ان چند مشہور جنازوں میں سے تھا جو

(۱) ساحل آن لائن نیوز سید احمد سالک برماور ندوی، بشکریہ سید منصور حسن ندوی

بھٹکل کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے، ہزاروں لوگوں کے ہجوم کے باوجود بغیر کسی انتشار وتفرقہ کے جنازے کا مسجد تک پہنچنا اور وہاں سے تنگ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے اپنے آخری آرام گاہ تک پہنچ جانا مولانا کی وفات کے بعد ظاہر ہونے والی کھلی ہوئی کرامت ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہزاروں انسانوں کی طرح دوسری غیر مرئی مخلوقات بھی ہزاروں کی تعداد میں شریک رہی ہوں گی۔

بقول حضرت شاہ سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ؎

فرشتے آسماں سے ان کے استقبال کو اترے
چلے ان کے جلو میں باادب با آبرو ہوکر
جہان رنگ وبو سے ماورا ہے منزل جاناں
وہ گزرے اس جہاں سے بے نیاز رنگ وبو ہوکر

مولانا کی زندگی ایک مشن، ایک پیغام تھی:

مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کی تدفین کے بعد شام ہی سے تعزیتی جلسوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جامع مسجد جس کے وہ خطیب وامام تھے مسجد معاذ بن جبل جس کے محلّہ کے وہ مکیں تھے، جامعہ اسلامیہ بھٹکل جس کے وہ استاد تھے، پھر معاون مہتمم، نائب مہتمم، اور مہتمم ہوئے، اور اسی منصب پر رخصت ہوئے، علی پبلک اسکول جس کے وہ بانیوں میں اور نائب صدر تھے، مولانا ابوالحسن ندوی اکاڈمی جس کے وہ اہم مشیروں اور محرکوں میں تھے، سبھی اداروں نے اور بھٹکل کی سبھی تنظیموں نے اور بھٹکل کے مختلف ممالک میں قائم تنظیموں مثلاً جماعت دبئی، جماعت قطر، جماعت بحرین، جماعت مسقط، جماعت سعودیہ وغیرہ اس کے علاوہ علاقہ کے کارگزار افراد نے ان کو بڑے خلوص دل سے خراج عقیدت پیش کیا، جس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔

البتہ ان کے ایک عزیز شاگرد اور مقبول معلم وخطیب مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی

نے لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے بڑی بلیغ بات کہی کہ اس پر افسوس کرنا کہ وہ ہوتے تو اور بہت کچھ بہاریں دیکھتے، اور لہلہاتی کھیتی کا پھل دیکھتے کہ انہوں نے دل کی کھیتی پر ہل چلایا اور وہ کھیت سیراب ہوکر آسودہ کرنے کو تیار ہے، لیکن ان سب کی کوئی حقیقت اس پھل کے آگے نہیں جو انہیں وہاں مل رہا ہوگا جہاں اب وہ ہیں، وہاں کی بہاروں کے آگے ان بہاروں کی کچھ حقیقت نہیں جن کو وہ چھوڑ کر آگے نکل گئے، اللہ کو ان سے جتنا کام بلا واسطہ لینا تھا وہ لے لیا اور اب بالواسطہ ان کے کام بھی انہی کے اعمال و آثار میں ہیں اور ان کا بہترین صدقہ جاریہ ہیں جس کا نفع ان کو برابر پہنچتا رہے گا۔

مولانا محمد الیاس جاکٹی (فقیہ احمد) ندوی بھٹکلی جوان کے اولین شاگردوں میں امتیازی مقام کے حامل معلم و داعی ہیں، جوان کے مشورہ کے بغیر اقدامات نہیں کرتے تھے، بڑے جذباتی لہجہ اور مومنانہ انداز میں توجہ دلائی کہ:

''مولانا کے ساتھ میں نے زندگی کی اکثر ساعتیں گزاریں، وہ میرے رازدار اور میں ان کا محرم راز، وہ میرے بھائی بھی تھے، دوست بھی تھے، اور استاد بھی تھے، اور مجھے میرے تمام کاموں میں حوصلہ دینے والے تھے۔

جامعہ کے ایک طالب علم اور خادم ہونے کی حیثیت سے اور اس کے حوالہ سے میں عرض کروں گا کہ مولانا کی تعلیم بھی یہاں کی تھی، اور میری بھی تعلیم یہاں کی ہے، ان کی محبوبیت و مقبولیت، اور لوگوں کی ان کے لئے فدائیت جوان کی وفات پر زیادہ ظاہر ہوئی، یہ منظر بھٹکل کی تاریخ نے کبھی نہیں دیکھا، اور شاید جلدی دیکھے۔

یہ منظر اور مولانا کی محبوبیت و مقبولیت اور انسانوں کے امنڈتے سیلاب کا ان کا استقبال کرنا اور پھر الوداع کہنا یہ پیغام دے رہا ہے کہ دنیا کی عزت و شہرت آخری درجہ کی ممکن ہوسکتی ہے، وہ صرف دینی تعلیم کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے، ان کو جو عزت اور شہرت ملی، اور انشاء اللہ جو کچھ آخرت میں ان کے شایان شان ملے گا وہ سب اسی دینی تعلیم کی نسبت سے ہے۔

انہوں نے جاتے جاتے یہ بتادیا کہ ان کی زندگی کا یہی مشن تھا، کہ دینی تعلیم، دینی تعلیم، دینی تعلیم، اس پیغام کی تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے جو بات ہمارے سامنے، آپ کے سامنے پیش کی اس پرسو (۱۰۰) فیصد عمل کر کے دکھایا، اور اپنی سب اولاد کو سو (۱۰۰) فیصد دینی تعلیم سے آراستہ کیا، ایک بچہ کو بھی عصری تعلیم سے آراستہ نہیں کیا، جامع مسجد کے منبر ومحراب سے اور جامعہ کے منصب اہتمام سے وہ جو فکر و پیغام مسلسل دیتے رہے اس کو ہمیں، آپ کو سینہ سے لگانا ہے اور اپنی نئی نسل کو اس دعوت پر لانا ہے۔

گیارہواں باب

اولاد واخلاف اور تلامذہ

اولاد وپسماندگان

مولانا عبدالباری فکردے مرحوم نے اپنے پیچھے جن بزرگوں اور عزیزوں اور اولاد کو چھوڑا، ان میں سب سے بڑھ کر ان کے والدین ماجدین جناب فکردے عبدالقادر زید مجدہ ان کی اہلیہ معظّمہ اور اپنے بھائی بہن کے علاوہ اہلیہ محترمہ ہمشیرہ مولوی سید ہاشم نظام الدین ندوی اور تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی اور داماد بلال بن الحاج محمد سائب سکری رکن الدین صاحب ہیں۔

(۱) خلف اکبر مولوی عبدالبدیع فکردے ندوی

فکردے عبدالبدیع ندوی ۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء کو بھٹکل میں پیدا ہوئے، ۲۰۰۷ء کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے تکمیل عالمیت کی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوسال لگا کر تکمیل حدیث وفضیلت کی، امام ذہبی کی حیات وخدمات پر مقالہ تحریر کیا، اور اسلامک ریسرچ اکیڈمی بھٹکل سے وابستہ ہوکر اس کی ترقی میں حصہ لیا۔

(۲) خلف دوم مولوی عبدالاحد فکردے ندوی

فکردے عبدالاحد ندوی ۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ کو بھٹکل میں پیدا ہوئے، ۲۰۰۸ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے عالمیت کی تکمیل کی، پھر دوسال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں لگا کر ۲۰۱۰ء میں فضیلت فی الحدیث کیا، اسلامی ریسرچ اکیڈمی بھٹکل کے ذمہ دار ہیں، اپنے

والد مرحوم کی خدمت جس جانفشانی سے کی وہ قابل داد ہے، ان کے زمانہ علالت کی تفصیلات انہی کی زبان سے لی گئی ہیں۔

(۳) خلف سوم مولوی عبدالنور فکردے ندوی

فکردے عبدالنور ندوی ۹ دسمبر ۱۹۹۳ء میں بھٹکل تعلقہ کاروار میں پیدا ہوئے، اور ۲۰۱۱ء کو جامعہ اسلامیہ کے شعبہ عالمیت سے فراغت حاصل کی اور پھر دو سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کلیۃ الدعوۃ میں لگا کر فضیلت کی تکمیل کی، پھر جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں افتاء کا کورس مکمل کیا، اور اب وہ علی پبلک اسکول بھٹکل سے وابستہ ہیں، اور تحریر و بیان کا اچھا سلیقہ ہیں، ان کے فتاوی "فکروخبر" ڈاٹ کام کے ذریعہ عام ہیں۔

(۴) ایک صاحبزادی ہیں جو جامعۃ الصالحات بھٹکل سے فارغ ہیں بلال بن محمد سائب سکری رکن الدین صاحب بھٹکلی مقیم وجے واڑہ کو منسوب ہیں یہ ایک دیندار مخیر تاجر خاندان ہے، مولانا کی زندگی میں صاحبزادگان کا عقد نہیں ہوسکا، صاحبزادی کا عقد اس دیندار گھرانہ میں صالح نوجوان کا انتخاب کر کے کیا، جن سے دو بیٹے عبدالرحمٰن رکن الدین اور عثمان رکن الدین اور دو بیٹیاں مریم اور آسیہ ہیں، جنہیں ان کا بہت ہی پیار اور شفقت حاصل رہا، اور چھوٹوں پر شفقت اور بچوں پر پیار کی اس سنت نبوی پر انہوں نے ان نواسوں، نواسیوں کے ذریعہ بھی عمل کیا۔(۱)

چند ممتاز اصحاب درس وافادہ تلامذہ

اخلاف و پسماندگان میں مولانا کا ایک معنوی کنبہ بھی ہے، جن میں متعدد باکمال اصحاب علم وفضل وارباب دعوت وارشاد اور اہل تصنیف وتحقیق کے طور پر نمایاں خدمات کے حامل ہیں، ہم یہاں ان کے ناموں کا ان کی جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے سن فراغت کے ساتھ ذکر کریں گے۔

---

(۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنے نواسوں سیدنا حسنؓ اور نواسی سیدہ امامہ بنت سیدہ زینبؓ پر شفقت و پیار فرماتے تھے، ان کو قریب کرتے، پیار کرتے یہاں تک کہ نماز میں ہوتے تو بھی خیال فرماتے۔

(۱) مولانا محمد الیاس محی الدین ندوی (۱۹۸۷ء)

جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں تدریسی خدمات کے ساتھ علی پبلک اسکول اور مولانا ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی کے بانی اور اس کے ذریعہ تعلیمی و دعوتی خدمات کے تعلق سے بڑے متعارف ہیں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کے فعال رکن اور کئی تحقیقی، تاریخی، دعوتی، اور نصابی کتابوں کے شہرۂ آفاق مصنف اور ایک انقلابی شخصیت ہیں۔

(۲) مولانا عبداللہ سکری ندوی (۱۹۸۷ء)

جامعہ کے بعد ندوہ اور پھر معہد الخرطوم سوڈان میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی اور پھر P.H.D کرنے کے بعد ممباسا کینیا میں تدریسی خدمات انجام دیں اور اب دبئی امارات میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں، کئی تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

(۳) مولانا محمد یونس اسماعیل برماور ندوی (۱۹۸۷ء)

معروف داعی ومبلغ دین مولانا محمد یونس اسمٰعیل برماور ندوی نے جامعہ سے فراغت کے بعد ندوہ سے شعبہ حدیث میں فضیلت کی، پھر تبلیغی جماعت سے وابستگی اختیار کر کے نہ صرف سال لگایا بلکہ پوری عمر لگانے کا فیصلہ کرلیا، اس راہ سے ملکوں ملکوں کا دورہ کر کے مقامی طور پر کام کے نگراں اور ذمہ دار بھی ہیں، اور ملک کے جوڑ میں نظام الدین مرکز میں صوبہ کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔

(۴) مولانا بشیر احمد سدی باپا ندوی (۱۹۸۷ء)

ایک مخلص، دردمند عالم دین ہیں اور مجلس احیاء المدارس بھٹکل، جامعہ اور اکیڈمی وغیرہ کے ذریعہ دینی خدمات پیش کرتے رہتے ہیں۔

یہ وہ جماعت تھی جو مولانا کی ابتدائی شاگرد وفیض یافتہ ہے اور مشکوٰۃ شریف میں

ان سے شرف تلمذ رکھتے ہیں، عمر میں تفاوت کم ہونے کی وجہ سے ان سے بے تکلف بھی ہیں۔

(۵) مولانا عبدالرقیب ندوی (۱۹۸۸ء)

جامعہ کے بعد ندوہ سے تخصص حدیث کیا، اور اب وہ مختلف اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار کی حیثیت سے اپنی خدمات قوم وملت کے لئے پیش کر رہے ہیں۔

(۶) مولانا محمد انصار الخطیب ندوی (۱۹۸۸ء)

جامعہ کے بعد ندوہ سے تخصص فی الحدیث کر کے مدرسہ ضیاء العلوم میں استاد اور پھر عبوری مہتمم بھی رہے، اور پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے چار سال تعلیمی گذار کر جامعہ اسلامیہ بھٹکل تدریس کے لئے آئے اور ایک مقبول ومحترم استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں، مقامی دعوتی واصلاحی وتربیتی ذمہ داریوں کو بھی انجام دیتے ہیں، مولانا کے تعلیمی، دعوتی کاموں میں بڑے معاون رہے۔ تنظیم جمعہ مسجد کے امام وخطیب ہیں۔

(۷) مولانا عبدالباسط الحافظ ندوی (۱۹۸۸ء)

سعودی عرب میں مقیم رہ کر وہاں مدرسہ تعلیم القرآن الجبیل کے بانی وناظم اور "مؤسسة حاذي التجارية الجبيل" کے محاسب ہیں۔

(۸) مولانا عبدالسبحان عبدالرؤف ندوی (۱۹۸۹ء)

جامعہ کے بعد پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بڑے امتیازی نمبرات اور تفوق کے ساتھ کامیابی حاصل کی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرپرستی میں رہ کر ان کے وطن کے تعلیمی ادارے مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں تفسیر وحدیث اور ادب کے اعلی کلاسیز کی تعلیم کے ساتھ نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی نبھاتے ہیں، اور تصنیف وتحقیق کے کام سے بھی وابستہ ہیں اور تفسیر قرآن کریم کی درسی خدمت کے ساتھ تحریری خدمت بھی انجام دے رہے ہیں "امام شافعی مجدد قرن ثانی" کتاب کے مصنف بھی ہیں، خلاصہ یہ ہے

کہ علوم دینیہ شرعیہ میں وہ رسوخ رکھتے ہیں، مولانا سے ترمذی شریف بھی پڑھی اور خوب اعتماد حاصل کیا اور مولانا نے اپنے مرض وفات میں ان سے دعاء کے لئے کہتے ہوئے کہا کہ تم پر میرا حق ہے اور تمہارا مجھ پر حق ہے۔

(۹) مولانا محمد اسامہ صدیقی ندوی (۱۹۸۹ء)

جامعہ کے ممتاز فضلاء میں اور وہاں سے منسلک کامیاب اساتذہ میں شمار ہوتا ہے، مولانا کا انہیں بھی بڑا اعتماد حاصل رہا۔ اور ابناء جامعہ کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔

(۱۰) مولانا ارشاد علی افریقہ ندوی (۱۹۸۹ء)

مولانا کے خاص تربیت یافتہ اور قرابت دار اور ''دعوات نبوی'' کے مصنف ہیں۔

(۱۱) مولانا نعمت اللہ عسکری ندوی (۱۹۹۰ء)

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے بیس سال سے استاد، جمعیۃ الحفاظ بھٹکل کے صدر، کئی کتابوں کے مصنف مسجد مخدومیہ کے امام وخطیب ہیں، مولانا عبدالباری ندوی کے ان محبوب تلامذہ میں ہیں جن سے مولانا اپنے ذاتی کاموں میں تعاون لیتے اور سفروں میں انہیں رفیق بناتے تھے، بڑی صفات کے حامل ہیں، حضرت الاستاذ مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی ''مشائخ الإمام البخاری'' پر کام کیا جو طبع ہوکر سامنے آ گیا ہے، موصوف مصنف عفا اللہ عنہ کے دار العلوم ندوۃ العلماء میں از ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۲ء فضیلت اور پھر ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۳ء المعھد العالی للدعوۃ و الفکر الاسلامی میں رفیق درس بھی رہے ہیں۔

دیگر مستفیدین میں جو راقم الحروف کے ہم درس ہوئے ان میں صدیق محترم مولانا محمد یحیی اسماعیل برماور ندوی (مقیم دوحہ، قطر) مولانا جنید ندوی بن مولانا عبدالعلیم قاسمی (مقیم ممبئی)، مولانا الطاف افریقہ ندوی (مقیم بھٹکل)، مولانا محمد سلیم سدی باپا ندوی (مقیم دبئی) اور مولانا سید محمد یاسر سعد اللہ برماور ندوی ہیں، مؤخر الذکر بھٹکل میں مقیم رہ کر وہاں کی

تعلیمی تنظیمی کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں، اور بعض میں بحیثیت رکن کے بھی خدمت انجام دیتے ہیں، مولانا الطاف افریقہ ندوی جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے آفس سکریٹری بھی ہیں اس لئے ان کا مولانا سے بحیثیت مہتمم کے زیادہ واسطہ اور سابقہ رہا۔

(۱۲) مولانا عبید اللہ ابوبکر کنڈلوری ندوی (۱۹۹۱ء)

مولانا کے ان ممتاز تلامذہ میں ہیں جنہوں نے خود ایک جامعہ کی داغ بیل ڈالی، یہ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور میں ہے، اور عالمیت تک تعلیم ہوتی ہے، اس کے علاوہ شعبہ افتاء اور شعبہ صحافت بھی قائم ہے، اور لڑکیوں کے لئے جامعہ عائشہ کے نام سے ایک الگ سے تعلیمی ادارہ قائم ہے، موصوف آل انڈیا ملی کونسل کے ضلعی صدر بھی ہیں۔

(۱۳) مولانا سید ہاشم نظام الدین ندوی (۱۹۹۱ء)

بھٹکل میں صحیح النسب حسینی سادات سے تعلق رکھنے والے یہ مرد صالح بڑے عالی حوصلہ عالم دین وداعی ومبلغ اسلام ہیں، مولانا مرحوم کے خاص تربیت یافتہ اور حقیقی برادر نسبتی ہیں، اسلامک ریسرچ سنٹر بھٹکل، فکروخبر ڈاٹ کام کے بانی اور علی ایجوکیشنل بک ہاؤس بھٹکل، مکتبة الشباب العلمية لکھنؤ، اور دوسرے اداروں کے ذریعہ تعلیمی، دعوتی کاموں میں مصروف رہ کر مرکز جمعة الماجد للثقافة و التراث دبئی سے وابستہ ہیں، اس ادارہ کے لئے مخطوطات ونوادرات جمع کرنے میں ان کا بڑا اہم رول رہا ہے، اچھے شاعر، مصنف، خطیب اور داعی ہیں۔ حیات عبد الباری کے نام سے مولانا مرحوم کی مبسوط سوانح ترتیب دے رہے ہیں۔

(۱۴) مولانا محمد نعمان اکرمی ندوی (۱۹۹۱ء)

بھٹکل کی بزرگ شخصیت مولانا محمد صادق اکرمی ندوی کے فرزند اکبر مولانا نعمان اکرمی ندوی زمانہ طالب علمی سے ہی علم وتحقیق وادب میں ممتاز تھے، اور ان کی تخلیقات اسی

وقت سے آنی شروع ہوگئی تھیں، اچھے شعری مجموعے سامنے آچکے ہیں۔

(۱۵) مولانا عبدالعظیم رکن الدین ندوی (۱۹۹۲ء)

قطر میں مقیم رہ کر عرب حلقوں میں دعوت کا کام کرنے کے ساتھ علمی، تحقیقی ذوق کے حامل ہیں، ''الحجاب فی الاسلام'' پر ضخیم مقالہ ایک اچھی کتاب ہے۔

(۱۶) مولانا محمد ایوب ملا ندوی (۱۹۹۲ء)

ممبئی کے رہنے والے، جامعہ اور پھر ندوہ کے فارغ التحصیل اور اس وقت سے مسلسل مدرسہ ضیاء العلوم میں اپنے اہل درس وافادہ سے متعلق رہ کر اپنی تعلیم وتربیت سے کئی جماعتیں تیار کر چکے ہیں، ان کا ایک دارالاشاعت مکتبۂ ابراہیم میدان پور رائے بریلی میں واقع ہے۔

(۱۷) مولانا عبیداللہ اسحاقی ندوی (۱۹۹۲ء)

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث سے فضیلت کی، اور ''حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ'' کو اپنے مقالے کا موضوع بنایا، کچھ عرصہ جامعہ شہید کٹولی ملیح آباد لکھنؤ میں حدیث پڑھائی پھر ازہر مصر جا کر دراسات علیا میں اچھا علمی تعلیمی وقت گذارا، اور نمایاں کامیابی حاصل کی، پھر مکہ معظمہ کی محبت انہیں جامعہ " أم القرى " کھینچ لائی، اس وقت صحیح بخاری کی ایک شرح التلقیح لفہم قاری الصحیح (از علامہ برہان الدین حلبی م ۸۴۱ھ) کو موضوع بنا کر چند رفقاء کے ساتھ ماجیستر کا مقالہ تیار کیا ہے، جس کا مناقشہ دوشنبہ ۱۸/اپریل ۲۰۱۶ء کو ہوا اور ۸۵/۱۰۰ نمبرات حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

یہ وہ تلامذہ تھے جنہوں نے مولانا عبدالباری ندویؒ کی تدریس کا ابتدائی زمانہ بھی دیکھا اور ان سے فیضیاب بھی ہوئے اور ایک دو کا استثناء کر کے یہ سبھی وہ لوگ تھے جن کے سامنے مولانا جامعہ اسلامیہ کے استاذ مقرر ہوئے تھے جیسا کہ مولانا سید ہاشم ندوی نے یہ بات کہی تھی کہ ہم نے جامعہ میں مولانا کا وہ دور بھی دیکھا ہے جب ان کا جامعہ میں تقرر ہوا

تھا اور ہم لوگ جامعہ میں پڑھ رہے تھے۔

سال بہ سال تیار کردہ جماعتوں کے نمائندہ افراد

۱۹۹۳ء کی جماعت میں مولانا شجاع الدین رکن الدین ندوی صدر مدرس مدرسہ دار التعلیم بھٹکل، مولوی سید ابرار با فقیہ ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مولانا شکیل احمد سکری ندوی قاضی وخطیب جماعت المسلمین منکی۔

۱۹۹۴ء کی جماعت میں مولانا عبد السلام الخطیب ندوی مظاہری استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، اور مولانا رحمت اللہ رکن الدین ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور مولانا محمد افضل شاہ بندری ندوی، استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل وناظم امتحانات برائے اسلامیات وسکریٹری مولانا ابو الحسن علی ندوی اکیڈمی بھٹکل۔ حاجی فضل الرحمٰن صاحب جوگا کو ندوی مقیم دبئی

۱۹۹۵ء کی جماعت میں مولانا محمد اقبال نائطی ندوی مظاہری، استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مولانا فیصل احمد ارمار ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا محمد غفران اکرمی ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مولانا فیصل احمد ندوی ادارہ احیائے علم ودعوت لکھنؤ کے بانی وذمہ دار بھی ہیں اور رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے سیرت پاک پر عالمی مقابلہ میں اپنی تصنیف پر پہلا ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں۔

۱۹۹۶ء کی جماعت میں مولانا عبد الرافع رکن الدین ندوی سابق استاد ومہتمم جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، مولانا محمد عرفان ایس ایم ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، حافظ قاری محمد عمران اکرمی جامعی صدر شعبۂ حفظ جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔

۱۹۹۷ء کی جماعت میں مولانا ڈاکٹر عبد الحمید اطہر رکن الدین ندوی مصنف کتب کثیرہ واستاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مولانا ابو بکر صدیق بن مولانا محمد غزالی ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا عبد الباری بن مولانا محمد غزالی ندوی سابق استاد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، مولانا محمد امین رکن الدین ندوی امام وخطیب مسجد نور بھٹکل، مولانا محمد عمیر خلیفہ ندوی استاد جامعہ

اسلامیہ بھٹکل۔

۱۹۹۸ء کی جماعت میں مولوی عبدالمعز منیری ندوی (دبئ) مولانا سالم خلیفہ ندوی مہتمم اقرأ پبلک اسکول منگلور، مولانا اظہر آر مار ندوی (قطر)۔

اوائل ۱۹۹۹ء کی جماعت میں مولانا شکیب احمد شاہ بندری ندوی فاضل ندوۃ العلماء واز ہر مصر حال مقیم دبئ، مولانا سعید احمد بن مولانا غزالی خطیبی ندوی، استاد مدرسہ سبیل الرشاد کوچین کیرالا۔

اواخر ۱۹۹۹ء کی جماعت میں مولانا عبدالرحیم ندوی ناظر کتب خانہ امام حسن البنا شہید بھٹکل، مولانا سید عبدالنافع جمال الدین ندوی، مولانا سید محی الدین قذافی برماور ندوی، مولانا ایمن قمری ندوی نائب قاضی خلیفہ جماعت المسلمین بھٹکل۔

۲۰۰۰ء کی جماعت میں مولانا عبدالعلیم اسمٰعیل خطیب ندوی سابق استاد مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ وحال استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل وامام وخطیب جامع مسجد بھٹکل (۱)، مولانا عمر فاروق غزالی ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مولانا عبدالحسیب منا ندوی صدر مدرس مکتب جامعہ اسلامیہ چوک بازار، مولانا جمیل احمد قاضی ندوی استاد مدرسہ رحمانیہ منکی۔ مولانا فیاض احمد ندوی مولانا محمد عوف خطیبی ندوی استاد جامعۃ المعارف رام پور، مولانا ضیاء الحق بن مولانا شفیع ملپا ندوی۔

۲۰۰۱ء کی جماعت میں مولانا سید محمد ریان برماور ندوی، مولانا میراں ارشاد نائطی ندوی، استاد مکتب جامعہ چوک بازار، مولانا محمد منصور شیخ ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔

۲۰۰۲ء کی جماعت میں شاعر وادیب مولانا عبدالمغنی اکرمی ندوی، مولانا محمد شافع شاہ بندری ندوی سابق استاد جامعہ اسلامیہ شانتا پورم کیرالا، حال مقیم دبئ۔ مولانا وصی اللہ دامدا فقیہ ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔

---

(۱) مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے بعد جامع مسجد بھٹکل میں ان کے جانشین ہوئے۔

۲۰۰۳ء کی جماعت میں مولانا انصار عزیز ندوی ڈائرکٹر ''فکر وخبر'' ڈاٹ کام بھٹکل، مولانا عتیق الرحمٰن خطیب ندوی، استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مولانا عبدالباری دامدا ندوی، استاد دہلی پبلک اسکول، جدہ سعودی عرب۔

۲۰۰۴ء کی جماعت میں مولانا سالک عجائب ندوی استاد جمعية الخيريه لتحفيظ القرآن الكريم الخبر، (سعوديه) مولانا محمد مستقیم محتشم ندوی، رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، مولانا سید سبحان ثاقب ندوی، مرتب وقائع احمدی ومرافق سفر وحضر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، مولانا مزمل ہلارے ندوی، مولانا عبدالرزاق خلیفہ جامعی (مقیم بحرین)۔

۲۰۰۵ء کی جماعت میں مولانا اسامہ بن مرحوم مولانا اقبال برماور ندوی، سید احمد سالک برماور ندوی، مولانا محی الدین جمال ملپا ندوی، مصعب صران یمانی ندوی، (حیدرآباد) محمد اظہر الدین شیخ ندوی مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم شکاری پور شیموگہ

۲۰۰۶ء کی جماعت میں مولانا عبدالمحیط خطیب ندوی سابق استاد جامعہ دارالعلوم فیض القرآن کالستہ کوکن وحال استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔ مولانا محمد مذکر استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، عثمان غنی خلیفہ ندوی بن مولانا عبدالعزیز ندوی بھٹکلی استاد دارالتعلیم والتربیۃ بھٹکل

۲۰۰۷ء کی جماعت میں عثمان سعد بن مولانا غزالی ندوی (مقیم قطر)، حسن غانم صادق اکرمی ندوی، سابق استاد مدرسہ ضیاء العلوم کنڈلور وحال امام مسجد عثمانیہ بھٹکل، ایمن بن مرحوم مولانا اقبال برماور ندوی (مقیم قطر)، عبدالبدیع عبدالباری فکردے ندوی، محمد ابراہیم رکن الدین ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔

۲۰۰۸ء عبدالاحد عبدالباری فکردے ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، محمد انیس خطیب ندوی استاد مکتب جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔ ابوعبیدہ ندوی بن مولانا صادق اکرمی استاد اقرأ عربک پبلک اسکول منگلور، شمعون علی باپا ندوی (مقیم، دبئی)

۲۰۰۹ء سید حسین ربیع ندوی متعلق جامعہ اسلامیہ بھٹکل، محمد رائد قاضی ندوی، مولانا محمد سفیان ندوی استاد مدرسہ سیدنا بلال ڈالی گنج لکھنؤ، محمد فرزان رکن الدین ندوی۔ ہدایت اللہ ارسلان ندوی۔

۲۰۱۰ء حماد کریمی ندوی، مدیر التحریر مجلتہ " النصیحة" مظفر پور، بہار، مشہود سعدا ندوی (مقیم ابوظبی)، قاسم اسرار ندوی استاد مکتب جامعہ

۲۰۱۱ء طارق اکرمی ندوی، عبدالنور فکردے ندوی، فواز منصوری ندوی، استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، حسن البنا ناصر اکرمی ندوی، یاسین نائطی، استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔

۲۰۱۲ء عبدالمنعم رکن الدین ندوی، عبدالسمیع شیخ ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، محمد مسیّب محتشم ندوی (دفتر جامعہ اسلامیہ بھٹکل) حسان رکن الدین ندوی، عبدالباقی خطیبی بن مولانا عبدالرب ندوی۔

۲۰۱۳ء عمر صیام ندوی بن مولانا محمد الیاس ندوی، میراں معظم ندوی استاد مکتب جامعہ، عبدالحی بن مولانا شعیب ایکری (مقیم دبئی) خلیفہ عبدالرحمٰن بن مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، اس آخری جماعت نے فضیلت ۲۰۱۵ء میں کیا۔

اس کے بعد کی آخری جماعت نے ۲۰۱۴ء میں جامعہ سے عالمیت کیا اور مولانا مرحوم کے شاگردوں کی وہ آخری جماعت جس نے ان سے پورا سال پڑھا ۲۰۱۵ء میں جامعہ سے نکل کر ندوہ میں زیر تعلیم ہے۔ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مقیم طلبہ نے مولانا کی شخصیت وخدمات پر "مولانا عبدالباری ندوی بھٹکل کی عظیم شخصیت" کے نام سے کتاب تیار کی جس میں ان کے ان شاگردوں کے جو ندوہ میں زیر تعلیم ہیں تاثرات ہیں۔

بارہواں باب

مکتوبات تعزیت اور تاثرات واحساسات

مکتوب تعزیت حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ
بنام جناب ناظم صاحب جامعہ اسلامیہ بھٹکل

باسمہ تعالی

محترم ومکرم جناب ناظم صاحب جامعہ اسلامیہ بھٹکل زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا، یہ خط مجھے بطور تعزیت لکھنا تھا جو بروقت اس لئے نہ لکھ سکا کہ خیال تھا کہ میں خود سفر کر کے وہاں پہونچوں اور براہ راست تعزیت کا فرض انجام دوں، مرحوم سے جامعہ کے تعلق کے ذریعہ تعلق کے ساتھ ساتھ براہ راست بھی تعلق تھا، وہ اپنی خوبیوں کی بناپر مجھے بہت عزیز تھے اور جامعہ کے کاموں کی ذمہ داری بھی بطریق احسن ادا کر رہے تھے، لیکن مسلمان کے لئے اللہ تعالی کے فیصلہ پر راضی رہنا ہی اصل ہے، اور وہ الحمد للہ آپ سب نے کیا، ان کی جگہ نئے ذمہ دار کے تقرر کا مسئلہ تھا وہ بھی الحمد للہ آپ حضرات نے بحسن وخوبی انجام دے دیا، اس کا انتظار تھا، اب ندوہ سے ایک نمائندہ وفد آپ حضرات سے مل کر ندوہ کے ذمہ داروں کے احساسات کو پیش کرے گا، لہذا مولانا نذر الحفیظ اور مولانا عبد العزیز صاحبان (۱) آرہے ہیں، دو ایک روز رہ کر واپس ہوں گے، وہ میری

---

(۱) مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری صدر کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابھا دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا عبد العزیز خلیفہ بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء۔

طرف سے بھی تعزیت پیش کریں گے، اور ندوہ کی طرف سے بھی پیش کریں گے، میری دعائیں آپ حضرات کے ساتھ ہیں، اللہ تعالی جامعہ کو حفاظت وترقی سے نوازے اور آپ حضرات کی کوششوں کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔

السلام

محمد رابع حسنی ندوی

مکتوب تعزیت بنام حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء

مخدومی ومحترمی حضرت مولانا محمد رابع صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو، حضرت مولانا عبد الباری صاحب کے سانحۂ انتقال کو سن کر بڑا افسوس ہوا، اللہ تبارک وتعالی ان کی مغفرت فرمائے، اور ہم سب کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

جامعہ عربیہ ہتھورا میں ان کے لئے ایصال ثواب کرایا گیا ہے، حضرت کا ان سے جو ربط تھا یقیناً حضرت کو اس کا صدمہ ہوگا، جس کا ہم سب کو احساس ہے۔

حضرت کے لئے ہم خدام جامعہ دعائیں کرتے ہیں

دعاؤں کا محتاج

احقر

حبیب احمد غفرلہ (۱)

۲۰ رفروری ۲۰۱۶ء جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

---

(۱) مولانا سید حبیب احمد باندوی مدظلہ صاحبزادہ وجانشین عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ۔

مکتوب تعزیت جناب ناظر عام صاحب ندوۃ العلماء

باسمہ تعالیٰ

مکرمی برادر عزیز مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

لسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی قابل فخر فرزند ندوۃ العلماء، محسن بھٹکل مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی کے حادثۂ وفات کی دلدوز خبر ملی إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی اور اصلاحی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

مولانا مرحوم کی بیماری کی اطلاع ہوتی رہتی تھی، اور اس حادثہ کا اندیشہ تھا لیکن ان کی عمر کے پیش نظر دل کو یہ تسلی بھی ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرمائے گا، اور وہ اپنی دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہوجائیں گے، لیکن مقدرات پر کس کا زور چلا ہے، اور یہ حادثہ ایسا دل ودماغ کو متاثر کرنے والا ہے جس کا اثر بہت دن تک قائم رہے گا۔

ان کے اہل وعیال اور خاندان سے راقم السطور کی طرف سے تعزیت پیش فرمادیں اور اسی طرح اہل بھٹکل اور تمام ندوی برادری سے تعزیت پیش ہے۔

فقط والسلام

محمد حمزہ حسنی ندوی

ناظر عام ندوۃ العلماء

۱۷ر فروری ۲۰۱۶ء

تاثرات واحساسات

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا عبد الباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل جنوبی ہند کی خبر وفات نے ہم سب کو بہت متاثر کیا، یہ حادثہ ناجعہ بدھ کو ۷ / رجمادی الاول موافق ۱۷ فروری کو بعد عصر پیش آیا إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مولانا عبد الباری مرحوم کو پہلے پیر میں تکلیف ہوئی پھر وہ مرض دوسری طرف منتقل ہو گیا، اور لاعلاج قرار پایا، جبکہ اہل خانہ نے علاج ومعالجہ کی موثر تدابیر اختیار کیں، اور وہ متوقع رہے کہ انشاء اللہ صحت ہوگی، چنانچہ وہ بنگلور سے جہاں زیر علاج تھے اپنے وطن بھٹکل واپس آئے تھے، اور علاج جاری تھا، لیکن اللہ تعالی نے انہیں سفر آخرت پر بلا لیا، اور انہوں نے اس دعوت کو لبیک کہا اور دار فانی سے دار البقاء کی طرف خوش وخرم کوچ کیا۔

مولانا عبد الباری مرحوم ندوۃ العلماء کے سینیئر فرزندان میں سے تھے، اور علوم اسلامیہ شرعیہ میں انہوں نے یہاں سے فضیلت کیا تھا، اللہ تعالی نے علم ودین، تواضع وصلاح کی صفات سے نوازا تھا اور ان صفات نے انہیں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے منصب اہتمام کی ذمہ داری دلائی، جو دار العلوم ندوۃ العلماء سے ملحق اداروں میں اپنی ایک شناخت اور پہچان رکھتا ہے اور یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کے فارغین تکمیل عالمیت کے باوجود تعلیم فضیلت کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں دو سال لگاتے ہیں، اور شریعت اسلامی میں اختصاص کرتے ہیں، ہم مولانا مرحوم کے اہل خانہ وافراد خاندان اور سبھی متعلقین کی خدمت میں خلوص دل سے تعزیت کے کلمات پیش کرتے ہیں، اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ مولانا مرحوم کے ساتھ رحمت ومغفرت کا خصوصی معاملہ ہو اور جنت الفردوس ان کا مقام ہو، اور سبھی پسماندگان کو صبر وتسلی حاصل ہو۔ (۱)

(۱) (مجلہ "البعث الإسلامي") جمادی الثانی ورجب ۱۴۳۷ھ مارچ ۲۰۱۶ء

مولانا عبداللہ مغیثی سہارن پوری

چیرمین آل انڈیا ملی کونسل ومہتمم جامعہ اسلامیہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میرٹھ

مولانا عبدالباری ندوی سرگرم ومخلص عالم دین اور ندوی فضلاء میں سینئر عالم دین اور بے لوث رجال تعلیم میں شمار ہوتے تھے، وہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے مہتمم اور جامع مسجد بھٹکل کے امام وخطیب ہونے کے ساتھ ہی ملت کے نونہالوں کی صحیح نہج پر اسلامی تعلیم وتربیت کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکاڈمی بھٹکل کے بھی بانیوں میں سے تھے جو نہایت اہم دعوتی کاموں میں برابر مصروف ہے۔(۱)

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بنیادی سکریٹری جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب ۱۷ر فروری ۲۰۱۶ء کو طویل علالت کے بعد تھانہ مہاراشٹرا کے ایک اسپتال میں انتقال فرما گئے اور اسی دن مولانا عبدالباری بھٹکلی ندوی صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا بھی انتقال ہوگیا، ۱۸ر فروری ۲۰۱۶ء کو دفتر پرسنل لاء بورڈ میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی۔

اس نشست میں مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی صاحب کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا بڑے صالح اور نیک انسان تھے، انتظامی صلاحیت بھی بہت عمدہ تھی جبھی تو جنوبی ہند کے ممتاز ادارہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے مہتمم بنائے گئے تھے، اور آپ نے اپنے دور اہتمام میں کئی اہم ترقیاتی کاموں کو انجام دیا اور کئی شعبوں کا اضافہ بھی کیا، آپ ہی کے دور اہتمام میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی عاملہ کا ایک عظیم الشان اجلاس بھی منعقد ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

(سہ ماہی خبرنامہ نئی دہلی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

رپورٹ مولانا وقارالدین لطیفی ندوی دفتر انچارج دہلی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

جنوری تا مارچ، ۲۰۱۶ء (۲)

---

(۱) از یادگار اسلاف شمارہ مارچ ۲۰۱۶ء (۲) ۱۶ر اپریل ۲۰۱۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ=

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری
(صدر شعبہ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء)

ممتاز عالم و خطیب اور مفسر قرآن مولانا عبد الباری مرحوم کا سانحۂ ارتحال ایک بڑا سانحہ اور ذاتی طور پر ہمارے لئے بڑا سانحہ ہے، ملت کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا جو ربط و تعلق تھا اور جس طرح انہوں نے دین کی اور قرآن مجید کی خدمت کی اور دعوت دی اور جس طرح مسلسل انہوں نے جمعہ کے خطبوں کے ذریعہ اور تفسیر قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں کو صحیح طور پر دین سے آشنا کیا، اور قربانیاں دیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے، اور یہ قدر و قیمت دنیا میں بھی معلوم ہوگئی، اور وہ جنازہ نکلا جس سے ان کی مقبولیت اور غیر معمولی محبوبیت سامنے آئی ہے، اور جیسا کہ امام احمد بن حنبل کے جنازہ کے بارے میں آتا ہے کہ 'بیننا وبینهم الجنائز' کہ ہمارے اور غیروں کے درمیان جنازے فیصلہ کرتے ہیں، بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی محبوبیت اور مقبولیت کو کھلے طور پر دکھادیا، اور ہمیں یقین ہوگیا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا مرتبہ اور بڑا مقام ہے، اور اسی مقبولیت و محبوبیت عند اللہ کا نتیجہ ہے جو جنازہ تدفین اور پھر تعزیتی پروگراموں سے ظاہر ہوا، ان کے محاسن میں نئی نسل کے لئے بڑا نمونہ ہے، کہ ایک نوجوان ایثار و قربانی سے کتنا آگے بڑھ جاتا ہے، اور کیسی علمی ترقی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا جامعہ اسلامیہ کی ترقی کا، لوگوں کی تربیت کا، نوجوانوں کی صحیح رہنمائی کا اس سے معلوم ہوا کہ عوام میں ان کے ذریعہ کتنا کام ہوا اور نئی نسل کی کیسی تربیت ہوئی، نئی نسل کو چاہیئے کہ ان کو اپنے لئے نمونہ (آئیڈیل) بنائیں، اہل بھٹکل مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان سے تعلق کا ثبوت دیا، اور یہ تعلق دین کا تعلق ہے، جو آخرت میں بہت کام آنے والا ہے" (۱)

= کی مجلس عاملہ میں بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب زید مجدہ نے تجویز تعزیت میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے حوالہ سے مولانا عبد الباری ندوی کا بحیثیت ایک معروف عالم دین کے تذکرہ کیا، اور ان کے لئے دیگر ارکان بورڈ و عہدہ داران بورڈ کے ساتھ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے دعائے رحمت و مغفرت کرائی۔ کاروائی مجلس عاملہ بورڈ مرتبہ مولانا رضوان احمد ندوی۔ (۱) ایک تعزیتی پیغام

مولانا عبدالعزیز خلیفہ ندوی بھٹکلی

(نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے ۲۹-۱۹۳۰ء میں انجمن حامی مسلمین بھٹکل کی طلب پر مولانا عبدالحمید ندوی صاحب مرحوم کو انجمن حامی مسلمین کے لئے بحیثیت استاد دینیات بھٹکل بھیجا جہاں انہوں نے دینی تعلیم و تربیت کا مؤثر طریقہ سے کام انجام دیا، اس زمانہ میں جن لوگوں نے ان سے خصوصی تربیت حاصل کی اور تعلیم پائی ان میں جناب ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ اور جناب الحاج محی الدین منیری صاحب آگے چل کر بھٹکل کے لئے مؤثر شخصیت بن کر ابھرے جن کی کوششوں سے بھٹکل میں دینی تعلق مستحکم ہوا ،ان دونوں شخصیتوں کا ملک کی بڑی دینی علمی روحانی اور ملی شخصیات سے گہرا تعلق تھا، ان کی اوران کے رفقاء کی فکر مندی اور دل چسپی سے جامعہ اسلامیہ کا بھٹکل میں ۱۹۶۲ء میں قیام عمل میں آیا، اوران کی فکر مندی سے مولانا عبدالحمید صاحب ندوی مرحوم پھر بھٹکل تشریف لائے اور جامعہ کی تعلیمی وتربیتی سرپرستی فرمائی، اور ہم لوگوں کو بھی ان سے استفادہ کا موقع ملا اور شرف تلمذ حاصل ہوا، ہم لوگوں کے جامعہ سے ندوۃ العلماء آنے کے بعد جامعہ میں درجات میں اضافہ ہوا، اور عزیز محترم مولوی عبدالباری ندوی مرحوم کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہوں نے جامعہ سے عالمیت کی تکمیل بھی کی، اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے حدیث شریف میں فضیلت کی اور پھر بھٹکل آکر جامعہ کے ذریعہ اپنے کو دین کے لئے وقف کر دیا، اور ایک معیاری اورنمونہ کی زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے، کسی تعلیمی ادارے کی کامیابی اس کے فارغین سے دیکھی اور سمجھی جاتی ہے، وہ اس طور پر ابھرے کہ انہیں دیکھ کر لوگوں کو اپنی اولاد کو عالم بنانے کا شوق پیدا ہوتا تھا، ہر ادارے کی کچھ آئیڈیل شخصیتیں ہوتی ہیں جیسا کہ سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:

''مولوی علی صاحب ہر جماعت اور ہر دانش گاہ کے لئے ایک آئیڈیل ہوتا ہے وہ اس کے تمام افراد کے دل ودماغ اور تخیل پر چھایا ہوا ہوتا ہے، اس سے ان کو اپنی زندگی کے لئے پیام اور اپنے کاموں کے لئے جوش ونشاط حاصل ہوتا ہے، میرے نزدیک دار العلوم (ندوۃ العلماء) کے لئے آئیڈیل چار شخصیتیں ہوسکتی ہیں، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا شبلی نعمانی، آپ کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی اور نواب سید علی حسن خاں کہ یہ سب علم ودین کے مختلف شعبوں پر حاوی تھے، اوران سے مل کر ایک جامعیت پیدا ہوتی ہے۔(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''ندوۃ العلماء کی بنیاد جامعیت کے تخیل پر تھی، زندگی پر اثر انداز ہونے اور قوم کی دینی رہنمائی کے لئے بھی ضروری تھی'' اور انہوں نے اس کا نمونہ اور ندوہ کی درسگاہ کا شاہکار سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس درسگاہ کے سب سے نمایاں اور کامیاب طالب علم مولانا سید سلیمان ندوی تھے، جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ علماء کی اس قدیم جامعیت کو زندہ اور نمایاں رکھا'' (۲)

اگر دیکھا جائے تو جامعہ، جامعیت اور اس کے سب سے کامیاب اور مؤثر ترجمان اور دوچار باکمال فرزندوں کی حیثیت سے مولوی عبد الباری ندوی کو بھی پیش کیا جائے گا۔

ان کے انتقال پر جو تأثرات سامنے آئے، اور جس والہانہ انداز سے انہیں لوگوں نے رخصت کیا اوران کے مرض وفات میں انابت، رجوع الی اللہ، تعلق مع اللہ کی جو کیفیت لوگوں پر ظاہر ہوئی وہ اولیاء اللہ کی شان رہی ہے۔

وہ مجھ سے عمر میں چھوٹے اور میرے بعض رفقاء درس کے شاگردوں میں رہے تھے جن سے انہوں نے جامعہ میں اور پھر ندوہ میں پڑھا تھا، اس نسبت سے وہ استاد ہی کی طرح معاملہ کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنے کام میں یکسوئی، محنت اور لگن اور استقامت ومواظبت سے وہ بہت کچھ حاصل کرلیا جس نے ان کی شخصیت کو ایک دلآویز شخصیت بنادیا

(۱) پرانے چراغ جلد اول، ص:۳۳

(۲) پرانے چراغ جلد اول، ص:۴۵

تھا،اور میں ان کو ایک محترم شخصیت کے طور پر دیکھتا تھا،ان کی وفات سے جو خسارہ ہوا اللہ تعالی اس کو دور فرمائے،اور جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پر فرمائے،اور آخرت میں ان کے مقام کو خوب بلند کرے۔آمین

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نعمانی مدیر ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ

''ہمارے ملک ہی نہیں عالم اسلام کا کوئی علم دوست شخص ہوگا جو جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے،جسے بجا طور پر ''جنوبی ہند کا ندوہ کہا جاتا ہے'' واقف نہ ہوگا،مولانا عبد الباری ندوی سالہا سال سے اس عظیم ادارے کے مہتمم اور بھٹکل کی پرشکوہ جامع مسجد کے امام وخطیب کی حیثیت سے ادارے اور مسلمانان بھٹکل کی بہترین قیادت کر رہے تھے،ابھی عمر بھی زیادہ نہیں تھی،گویا ''خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود'' کے مصداق بن کر ۱۹ر فروری ۲۰۱۶ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے،اللہ تعالی مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے،ان کی حسنات کو اپنی شان عالی کے مطابق قبول فرمائے،اور عفو ودرگذر کا معاملہ فرمائے،نیز اہل خانہ اور سینکڑوں غمزدہ دوستوں اور شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائے،نیز امت کو ان کا بہترین بدل عطا فرمائے،(آمین)''۔ (۱)

مولانا عمیر الصدیق دریا آبادی ندوی
رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

آہ مولانا عبد الباری ندوی مرحوم
(۱۹۶۱ء-۲۰۱۶ء)

یہ خبر صاعقہ اثر تھی کہ مولانا عبد الباری ندوی نے عمر مستعار کے صرف پچپن سال گذار کر راہ سفر آخرت اختیار کی،۱۷ر فروری ان کی دنیوی زندگی کی آخری تاریخ تھی،

(۱) ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ،شمارہ مارچ ۲۰۱۶ء

إنا لله وإليه راجعون۔

ان کی یہ مختصر سی زندگی گرچہ ظاہری شہرت اور نام ونمود سے دور رہی، لیکن جنوب ہند اور خاص طور پر بھٹکل اور بحیرہ عرب سے متصل ہندوستان کے مغربی ساحلوں پر مسلمانوں کی نئی علمی و تعلیمی اور دینی و تبلیغی موجوں میں وہ ایک بے قرار لہر بن گئے تھے، ۱۹۶۱ء میں انہوں نے بھٹکل کے اس ماحول میں پہلی بار آنکھیں کھولیں جس کی دینی و علمی اور ادبی پاکیزگی کا تصور بھی شمالی ہند کی ماحولیاتی آلودگی میں دشوار ہے، اسی کا اثر تھا کہ اکیس سال کی عمر میں وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالم وفاضل بن کر نکلے اور بھٹکل کی جس جامعہ اسلامیہ سے طالب علمانہ حیثیت سے نکلے تھے، وہیں تئیس چوبیس سال کی عمر میں تفسیر وحدیث جیسے اہم مضامین کے استاد بن کر واپس ہوئے اور پھر اس عمر کی ساری توانائی انہوں نے جس طرح جامعہ اسلامیہ کی ترقی بلکہ بھٹکل کی دینی واجتماعی ترقی میں صرف کی اور بڑوں کی موجودگی میں بڑائی حاصل کی، وہ آج کی نئی نسل کے لئے ایک مثال ہے۔

دارالمصنفین کو ان کی یاد اس لئے بھی آتی رہے گی کہ انہوں نے بھٹکل میں دارالمصنفین کی خدمات کو جاننے اور یہاں کی کتابوں سے عام فائدہ اٹھانے کی مہم چھیڑ کر خاموش محبت وعقیدت کو نئی معنویت دی، جامعہ اسلامیہ میں انہوں نے منتہی درجات کے طلبہ اور قرب وجوار کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ وطلبہ کے لئے دس روز تک محاضرات ومقالات کا ایک سلسلہ شروع کیا، جس میں روزانہ دارالمصنفین کی نمائندہ کتابوں کے ذکر اور ان کی فکر پر مباحثے ہوتے رہے، دارالمصنفین کی مطبوعات کی نمائش کا بڑے سلیقہ سے اہتمام کیا اور بانی ومعماران دارالمصنفین کی سیرت وشخصیت کے ہر پہلو کو روشن کیا جاتا رہا، مقصد یہی تھا کہ اس جدید دور میں ایسے ذہن تیار کئے جائیں جو اسلام کی حمایت ومدافعت واشاعت میں اس صف کے قابل بن سکیں جس صف سے کبھی بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ "جو شیر دل سب سے پہلے نکلا وہ علامہ شبلی ہی تھے"۔

مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے اپنی تقریروں سے اور اس سے زیادہ اپنی عملی

صلاحیتوں سے ظلمتوں کو دور کر کے روشنی بکھیرنے میں جو کامیابی حاصل کی وہ نئی نسل کے لئے مینارۂ نور ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو کم عمری کے باوجود ان کو محسن بھٹکل سے یاد کیا گیا، اللہ تعالی دنیا کی طرح آخرت میں بھی ان کو بلندی درجات سے سرفراز فرمائے۔ آمین ع-ص۔(۱)

مولانا مقبول احمد ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل

''سرزمین بھٹکل اپنے جن سپوتوں پر ناز کرے گی اور کرناٹک کی تاریخ جنہیں ہمیشہ یاد رکھے گی ان میں سے ایک بلکہ سرفہرست حضرت مولانا عبدالباری ندوی صاحب کی ذات گرامی ہے۔

ماضی قریب میں جن شخصیات نے بھٹکل واطراف بھٹکل میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے اور مختلف جہتوں سے دعوت دین، تعلیم اسلام اور اصلاح معاشرہ کا جو کام کیا ہے وہ عورت، نوجوان، بوڑھے، بچے، بچیوں، طلبہ واسٹوڈنٹس، علماء وامراء، عوام وخواص سب پر محیط تھا، اور ہر ایک کی خاطر اپنے آپ کو دن رات گھلا دیا تھا۔

پھونک کر اپنے آشیانے کو
روشنی دی ہے زمانہ کو

مولانا کی وفات کے بعد مسلسل بہت سی چیزیں مولانا کے تعلق سے سامنے آرہی، جس سے بہت کچھ معلومات مل رہی ہیں''۔(۲)

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

(رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ورکن مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا عبدالباری صاحب کی شخصیت ایک مثالی شخصیت کے طور پر سامنے تھی، اور

(۱) ماہنامہ معارف ''دارالمصنفین اعظم گڈھ مارچ ۲۰۱۶ء

(۲) از کتاب 'مولانا عبدالباری ندوی بھٹکل کی ایک عظیم شخصیت' مرتبہ ومطبوعہ طلبہ بھٹکل دارالعلوم ندوۃ العلماء

لوگ اپنی اولاد کو مولانا عبدالباری جیسا دیکھنا چاہتے تھے، ان کی شخصیت کو دیکھ کر کہتے تھے کہ عالم ایسا ہوتا ہے، ہم بھی اپنے بچہ کو عالم بنائیں گے، جامعہ کے استحکام اور دینی تعلیم کی اشاعت میں مولانا کی شخصیت نے بڑا کام کیا ہے یہ ایک حقیقت ہے، مولانا جامعہ سے وابستہ تھے لیکن ملت کی ضروریات کی براہ راست سرپرستی کرتے تھے، ملت کے تمام اداروں کی براہ راست سرپرستی کرتے تھے، عموماً یہ ہوتا ہے کہ ایک ادارے سے وابستہ ہو کر دوسرے ادارے کا خیال نہیں ہو پاتا، مگر مولانا کی فراخ دلی، وسعت قلبی تھی کہ وہ سب ملی اور دینی اداروں کو اپنا ہی سمجھتے تھے، اور حتی الوسع تعاون دیتے تھے، حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ الحاج محی الدین منیری صاحب مرحوم کی خدمات کے بعد بھٹکل میں مولانا ملا محمد اقبال ندوی صاحب اور مولانا محمد صادق اکرمی ندوی صاحب اور مولانا محمد غزالی خطیبی ندوی صاحب، مولانا محمد ایوب برماور ندوی صاحب کی جو خدمات رہیں دین اور دین کی تعلیم ودعوت کی طرف لوگوں کے لئے اس کے بعد سب سے بڑا حصہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب مرحوم کا رہا، ان کی شخصیت میں ربانیت للّٰہیت اور ایسی مقناطیسیت تھی اور انہوں نے دین کی جامعیت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ علماء کا اور دین کی تعلیم کا وقار لوگوں میں بڑھا اور لوگ جوق در جوق دین کی طرف بڑھنے لگے۔ (۱)

مولانا سید ہاشم نظام الدین ندوی

(مرکز جمعۃ الماجد دبئ عرب امارات)

"مولانا عبدالباری ندوی میرے لئے استاذ و معلم تو تھے ہی مگر میرے لئے ان کا درجہ ایک باپ کا، ایک مربی کا اور ایک مشفق و مہربان ہستی کا تھا، اس ناچیز کی قدم قدم پر رہنمائی کی، پڑھایا لکھایا، سکھایا، سمجھایا اور جو محبتیں انہوں نے اپنے بیٹوں کو دی، میں گواہی

(۱) ایک تعزیتی تقریر کا اقتباس

دیتاہوں کہ وہی محبت مجھے بھی دی، ان کا ایک وصف یہ تھا کہ مشورہ سے معاملات طے کرتے، اور ہم چھوٹوں سے بھی مشورہ کے انداز میں کوئی بات کہنا ہوتا کہتے، ۷۴ سال کی عمر میں اللہ نے ان سے وہ خدمات لیں جو ہمارے بھٹکل میں دو تین صدیوں پر بھاری ہیں، مردم سازی کا کام لیا، نوجون نسل کو تیار کرایا، وہ ایک دیا تھے جو ہزار دیوں کو جلا گئے، ایک چراغ تھے جو ہزاروں چراغوں کو روشن کر گئے، جب اس چراغ کی روشنی ٹمٹمانے لگی تو وہ روشنی پھیل گئی، اپنی محبت حسن اخلاق وکردار اور ایمان ویقین سے یہ پیغام دے گئے کہ اللہ کی ذات غیور ہے، وہ جب تک چاہتا ہے جس سے کام لیتا ہے اسے یہ پسند نہیں کہ مخلوق پر اعتماد ویقین ہو۔(۱)

پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' ندوۃ العلماء لکھنؤ
''علم وعمل زہد واستغناء اور اصلاح ودعوت کا حسین پیکر
مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی جوار رحمت میں''

۲۵ رفروری ۲۰۱۶ء کا شمارہ پریس جانے کو تیار تھا کہ ۷ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷ رفروری ۲۰۱۶ء کو بعد نماز عصر یہ اندوہناک خبر ملی کہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل کرناٹک کے مہتمم مولانا عبدالباری ندوی نے منگلور ہسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

وفات کی خبر ندوہ واہل ندوہ کے لئے بجلی بن کر گری اگلے روز بھٹکلی اساتذہ وطلبہ نے غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی۔

مولانا مرحوم پر بھٹکل اور دیگر مقامات پر تعزیتی جلسوں کا سلسلہ جاری ہے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے خطابات بھی موبائل میں ریکارڈ کیے گئے اور بھٹکل کے ایک تعزیتی جلسہ میں سنائے گئے جس سے لوگوں کو بڑی تقویت ملی، اور ڈھارس بندھی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلی مقام

---

(۱) تعزیتی خطاب سے ماخوذ

عطا کرے، ان کے درجات بلند فرمائے، پسماندگان واہل تعلق کو صبر جمیل دے، اور ملت کو نعم البدل عطا فرمائے، آمین (۱)

ماہنامہ ''الشارق'' اعظم گڈھ

جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور، اعظم گڈھ، یوپی

گذشتہ دنوں بھٹکل کی نئی نسل کے ایک نمائندہ اور قابل رشک ہستی اس دنیا سے رخصت ہوگئی، مولانا عبدالباری ندوی نے بھٹکل کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں جو مقام حاصل کیا وہ ان کی عمر کو خدا جانے کتنی عمروں کی برکت کا حامل بنا گیا، کیا دلنواز شخصیت تھی، ان کی وفات ایسا حادثہ فاجعہ ہے جس کی کسک آسانی سے نہیں جائے گی، اب تو بس یہی دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کو اعلی سے اعلی درجات سے نوازے، ان کے حسنات کو قبول فرمائے، اور ان کو یاد کرنے والوں کو صبر جمیل دے۔ (۲)

ماہنامہ ''یادگار اسلاف'' اجراڑہ میرٹھ

مولانا عبدالباری مرحوم کو اپنے پیش رو اسلاف واکابر اور موجود اساتذہ ومرشد کی طرح ہی جامعہ گلزار حسینیہ اجرارہ سے والہانہ تعلق تھا وہ نہ صرف کئی مرتبہ وفد کی شکل میں اجرارہ تشریف لائے بلکہ جامعہ کی تعلیمی وتعمیری ترقیات پر انتہائی مسرت کا اظہار کر کے مفید مشورے بھی دیتے رہے، وہ جامعہ کی تعلیمی واصلاحی خدمات کے دل سے معترف تھے برابر جامعہ کی خبر گیری رکھتے اور ارباب جامعہ سے رابطہ بنائے رکھتے، وہ اہل بھٹکل میں جامعہ کے اثر ورسوخ کا اہم ذریعہ تھے، اللہ رب العالمین ان کی سیئات کو حسنات سے مبدل فرما کر حسنات پر بیش از بیش صلہ وبدلہ مرحمت کریں۔ (۳)

---

(۱) مولانا جاوید اختر ندوی تعمیر حیات ۲۵ر فروری ۲۰۱۶ء (۲) اداریہ جنوری، فروری ۲۰۱۶ء
(۳) شمارہ مارچ ۲۰۱۶ء ص ۵۶ (مولانا آس محمد گلزار قاسمی ومولانا سید عقیل احمد صاحب)

تیرہواں باب

وصایا اور نصائح

ایک تعزیتی مجلس اور قرآن مجید وسیرت پاک کی روشنی میں ایک پیغام

۱۷؍فروری ۲۰۱۶ء عشاء بعد مولانا عبدالباری ندوی کے حادثۂ فاجعہ کے پس منظر میں مولانا نذر الحفیظ صاحب زید مجدہ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے معمول کی مجلس میں آیت "یا أیھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا" (سورہ آل عمران آیت نمبر ۲۰۰) کے متعلق استفسار کیا حضرت نے اس پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا:

صبر اجتماعی بھی ہے انفرادی بھی

صبر انفرادی بھی ہوتا ہے، اجتماعی بھی بعض حالات میں انسان تنہا صبر کرتا ہے، اور بعض حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ صبر کرتا ہے۔ عربی میں دونوں حالتوں کے لئے الفاظ الگ ہیں، ایک صبر ہے اور ایک مصابرہ ہے، قرآن مجید نے اہل ایمان سے دونوں حالتوں میں صبر کا مطالبہ کیا ہے، "اصبروا وصابروا" یعنی ذاتی حالات میں بھی صبر اور دوسروں کے ساتھ حالات ومعاملات میں بھی صبر سے کام لیا جائے۔ اس میں جو جتنا کھرا اترتا ہے ویسے ہی اس کو ثمرات ملتے ہیں۔

صبر کے ساتھ شکر:

حوادث، مصائب، ذاتی بھی ہوتے ہیں، اجتماعی بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے، وہ اللہ کا حکم دیکھتے ہیں اور حفاظت کرتے ہیں، ورنہ رہنا دوبھر ہو جائے، کہا جاتا ہے بال بال بچے، بچے نہیں بچائے گئے، فرشتے چاروں طرف لگے ہوئے ہیں "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ" (سورہ رعد آیت ۱۱) اس لئے شکر بھی ضروری ہے، ہر شخص کی زندگی کی یہ دو حالتیں ہیں، صبر یا شکر، ان کا تعلق اصلاً دل

سے ہے، دل سے صبر ہوتا ہے، اور دل سے شکر ہوتا ہے، اور دونوں پر اللہ تعالیٰ بہت نوازتا ہے، دنیا میں بھی اس کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور آخرت میں جو ہوگا وہ الگ ہے۔

صبر و شکر میں اسوۂ حسنہ:

رسول اللہ کی زندگی میں یہ دونوں اسوے ملتے ہیں، طائف کی دعاء بہت معنی خیز ہے، ایسے حالات میں طائف کا واقعہ پیش آیا ہے جب آپ ﷺ کے دو بڑے اور نزدیکی حامی و مددگار اٹھا لئے گئے، ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات اور چچا ابوطالب جو والد کے قائم مقام اور آپ کی ہر تکلیف میں سینہ سپر ہونے والے چچا تھے، کی وفات ہوگئی، اور ہر طرف سے آپ کو اعراض کا سامنا ہوا، طائف تشریف لے گئے کہ یہاں سے کچھ مدد ملے گی، وہاں اور سخت معاملہ ہوا، لوگ دشمنی پر اتارو ہو گئے اور ایسا برتاؤ کیا کہ ظاہر میں نظر آیا کہ اب کہیں کوئی مددگار نہیں، نہ قوت نہ اسباب، اس حالت میں اپنا جو حال بیان کیا ہے وہ طائف کی دعاء میں پورا پورا آ گیا ہے، یہ دعاء بہت معنی خیز ہے، طائف میں جو تکلیف دی گئی، لوگ اس سے سرسری گزر جاتے ہیں، بہت سخت تکلیف تھی، آپ نے اپنے رب کے سامنے جو حال بیان کیا ہے اس سے بھی یہ پیغام ملتا ہے کہ آدمی اپنا حال دل پورا کا پورا اپنے رب کے سامنے رکھ دے، آپ کی دعاء میں کیسی حقیقت کا اظہار اور کیسا توازن ہے کہ فرمارہے ہیں تکلیف تو ہے اگر آپ ناراض نہیں تو ہم برداشت کریں گے، لیکن تکلیف دور ہو جائے تو اچھا ہے، اگر آپ ناراض ہیں تو ہم آپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے، یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں۔

ایسے ہی عرفات کی دعاء ہے وہ بھی بڑی معنی خیز ہے، وہ شکر کے مقام و حالت کی ہے، اور طائف کی صبر کی حالت کی دعاء ہے، حضور ﷺ آخری نبی ہیں، سید الاولین والآخرین ہیں، محبوب رب العالمین ہیں، لیکن کیسی تکلیفیں اٹھائیں، وطن عزیز کو چھوڑنا پڑا، سفر ہجرت میں کیسے خطرات سے گزرنا پڑا، بدر و احد کی آزمائش، خندق کی آزمائش، سخت ترین حالات سے گزارا گیا، مکہ معظمہ میں ذاتی تکلیف و آزمائش اور مدینہ منورہ میں اجتماعی مشکلات، سیرت پاک میں دونوں کا اسوہ اور بڑی عاجزی کا نمونہ ملتا ہے، اسی طرح سورۂ والضحیٰ کے نزول کے اسباب پر غور کیجئے، یہ

وہ حالات تھے کہ جیسے کوئی بے یارومددگار ہو، آپ کو اطمئنان دلایا گیا کہ یہ نہ محسوس ہو کہ ہم آپ کو ناپسند کررہے ہیں، آپ نے بعد میں بڑا انعام ومقام رکھا ہے "مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی "۔(سورۃ الضحیٰ)
(آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا نہیں اور نہ آپ کو دور کیا، اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے، جلد ہی آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا اور آپ خوش ہو جائیں گے۔)

طائف کے بعد معراج کا واقعہ پیش آیا، معلوم ہوتا ہے کہ طائف کا واقعہ اور جنات کا اسلام لانا یہ مکہ وطائف کے انہی واقعات کی تلافی ہے، اور جنات کے اسلام لانے سے آپ کو یہ بتایا گیا کہ آپ صرف انسانوں کے نبی نہیں ہیں، جنات کے بھی نبی ہیں، دونوں واقعوں سے تسکین وتسلی دی گئی، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ طائف والے اچھا معاملہ کرتے تو طائف مدینہ ہوتا، مگر طائف والے بچھڑ گئے، اور مدینہ طیبہ کو سب مل گیا، اعراض سے بڑا نقصان ہوتا ہے، جیسے استقبال اور نفرت سے بڑے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

تدبیر کی جائے گی مگر بھروسہ تدبیر پر نہیں کیا جائے گا

ایک خاص بات یہ ہے جو ہم کو سیرت پاک سے سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی کوشش پوری کرے پھر اللہ کی مدد آتی ہے، بدر کے مقام پر آپ جو کر سکتے تھے، کیا۔ پھر رو رو کر دعا کی، خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا، آپ نے یہ نہیں کہا ہم یہ کیوں کریں؟ اللہ کی مدد آئے گی، مگر آپ نے تدبیر اختیار کی، لیکن بھروسہ تدبیر پر نہیں کیا، اللہ پر کیا۔ حضور ﷺ تدبیر پوری اختیار کرتے تھے مگر امید اللہ تعالی سے رکھتے تھے، اللہ تعالی نہ چاہے تدبیر کیا کرے گی؟ اللہ تعالی اگر نہ چاہے تو دوا کیا کریگی؟ انسان دوا کھاتا ہے اسے جب تکلیف ہوتی ہے حکم الٰہی ہوتا ہے فائدہ پہنچ جاتا ہے، اور شفا مل جاتی ہے، اور اللہ تعالی کو اگر کچھ اور منظور ہوتا ہے، تو ویسا پیش آتا ہے، لیکن آدمی کو اللہ تعالی سے امید کرکے تدبیر اختیار کرنی چاہئے، اور اللہ کے فیصلہ پر راضی ہونا چاہئے، کہ سب کچھ اسی کا ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت واختیار میں ہے۔

ہمیں تو بابری مسجد کے انہدام کے مسئلے سے بھی بڑا سبق حاصل ہوا، ہم نے سوچا ایسا

کیوں ہوا؟ خیال ہوا کہ بیت اللہ شریف کا مسئلہ تو ایسا تھا کہ قریش اس حال میں نہیں تھے کہ اس کو ابرہہ اور اس کے لشکر سے بچا سکتے، انہوں نے اللہ پر چھوڑ دیا، اور اللہ نے بچالیا، اور یہاں مسئلہ دوسرا ہو گیا بابری مسجد کے مسئلہ کو سڑک پر لے آئے اور سیاسی بنادیا نتیجہ دوسرا نکلا۔

حضور ﷺ کی پوری زندگی جامعیت کی ہے، غار ثور میں چھپنا بھی ایک تدبیر تھی، ورنہ آپ فرماتے کہ اللہ بچائے گا، اور مدینہ منورہ ہجرت کے بعد آپ سریے بھیجتے تھے کہ قریش کے منصوبوں سے غفلت نہ رہے، کہ وہ کوئی تیاری تو نہیں کر رہے ہیں، ورنہ آپ کہتے کہ اللہ کرے گا، اصل یہ جامعیت ہے۔ حضور ﷺ تدبیر اختیار کرتے تھے مگر تدبیر پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔

غزوۂ حنین میں بھروسے کی کمی پر پکڑ فرمائی، اور تنبیہ ہوئی، وہاں تدبیر پوری تھی ظاہری طور پر لشکر کافی تھا، لیکن اس کا خیال آ گیا تھا کہ ہم بہت ہیں، اور ہماری طاقت ہے، لیکن وہ بھروسہ نہیں تھا جو مطلوب ہے، قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے" إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا. سورہ توبہ:۲۵ (ترجمہ: جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہوا تو وہ کچھ بھی تمہارے کام نہ آئی)

اور احد میں تدبیر کی کمی کو سبب بتایا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر کی جائے، اور بھروسہ اللہ پر مکمل کیا جائے۔

راضی برضا ہونے پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

بدر اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالی نے معاف کر دیا، اور گناہ بخش دئے، اس میں بھی بڑا پیغام ہے، اپنے جذبات کو اللہ کے حکم کے آگے دبانا اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی اور منشا کو ترجیح دینا یہ اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔

بدر میں تو مسلمان یہ سمجھے کہ ہم بے ہتھیار اور تعداد میں کم ہیں اس لئے بچنے کا سوال نہیں، ہم سب ختم ہو جائیں گے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی مان کر سامنے آ گئے۔ اور حدیبیہ میں آخری درجہ کی ذلت محسوس کی اور پھر یہ کہ بیت اللہ کے طواف کے بغیر اہل مکہ رہ نہیں سکتے، اور یہ موقع مل رہا تھا، اور دبنے کا مزاج نہیں تھا، مگر اللہ کو یہ دیکھنا تھا کہ اس حال

میں یہ ہماری کیسی مانتے ہیں، آزمایا اس میں بھی وہ کھرے اترے، اور جذبات کو بالکل دبا دیا، ایسا دبایا کہ ہوش وحواس گم ہو گئے، کہا جا رہا ہے احرام سے باہر آنے کے لئے بال منڈادیے جائیں سمجھ میں نہیں آرہا ہے یہ کیسے کریں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پہل کی تو پھران اصحاب نے بھی ایسا کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی کہ اتنی بڑی تعداد ایسی مطیع ہوجائے اس کی نظیر نہیں چند افراد تو کر لیتے ہیں ایسی بڑی جماعت کرے ایسا نہیں ملتا۔

شرک وبدعت سے نفرت ضروری اور صرف اپنی اصلاح کافی نہیں سماج کی اصلاح کا کام بھی ضروری ہے

ماحول کا بھی بہت اثر پڑتا ہے، بت پرستی اور شرک کے ماحول میں رہ کر شرک کی وہ چیزیں معیوب نہیں رہ جاتیں جن سے دین وشریعت نے بہت ڈرایا ہے، بنی اسرائیل کا مزاج اسی میں بگڑ گیا تھا، قرآن مجید نے یہ باتیں یوں ہی ذکر نہیں کی ہیں، ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو اسی صورت حال کا سامنا ہے شرک سے جو نفرت ہونی چاہئے، اور جو بدعات داخل ہوجاتی ہیں ان سے جو دوری ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، اور جو لوگ بالکل ہندوانہ ماحول میں رہتے ہیں ان پر اس کا زیادہ اثر پڑتا ہے، اسی لئے ہجرت رکھی گئی ہے، صرف اپنی فکر کافی نہیں ماحول ومعاشرہ کی اصلاح کا عمل بھی ضروری ہے اور یہ اپنی اصلاح اور اپنے گھر کی اصلاح کے بغیر معتبر نہیں، اس کا بہت خیال رکھنے کی ضرورت ہے''۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی یہ مجلس ۸؍جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍فروری ۲۰۱۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت کی قیام گاہ پر بعد نماز عشاء ہوئی جس کے موضوع کا پس منظر مولانا عبدالباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا سانحۂ وفات تھا، جنہوں نے ایمان وتقوی کی مثالی زندگی گذارنے کے ساتھ سماج کی اصلاح کا عمل اسی کے مؤثر ذرائع اور اپنے مثالی کردار کے ذریعہ انجام دیا تھا جو ان کے بعد دوسروں کو بھی اختیار کرنا چاہئے اس کی طرف حضرت مولانا دامت برکاتہم نے بڑے بلیغ انداز میں ہدایت فرمائی ہے۔

ختم بخاری شریف کے موقع کی چند اہم وصایا

(از: مولانا عبدالباری ندوی مرحوم)

مولانا نے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہمارا اور آپ کا جو رشتہ ہے انشاء اللہ یہ رشتہ موت تک اور موت کے بعد جنت میں بھی باقی رہے گا مجھے امید ہے کہ آپ حضرات کی وجہ سے ہی ہماری بخشش ہوگی، جب آپ لوگ جنت میں چلے جائیں تو اتنا یاد رکھئے گا کہ اللہ سے یہ کہئے گا کہ ان کو بھی ہمارے ساتھ چھوڑ دیجئے ، ہو سکتا ہے کہ آپ کے کہنے سے ہمارا بیڑا پار ہو جائے، دوسری بات یہ کہ میری تم سے تاکید ہے کہ زندگی میں ایک ایسا کام ضرور کرلو جو محض خلوص پر مبنی ہو سوائے آپ کے اور اللہ کے کسی اور کو اس کی خبر نہ ہو، اس کی برکت سے زندگی کے آڑے وقت پر تمہارا کام بن جائے گا، تیسری بات شاید آپ سے کوئی کہے نہ کہے وہ یہ کہ جب بھی کوئی حدیث پڑھو زندگی میں ایک بار ہی سہی ضرور عمل کرو تا کہ حجت تمام ہو جائے اور عمل کا لفظ اس پر صادق آجائے ، چوتھی بات یہ کہ اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے لہٰذا اللہ کے اس فضل واحسان پر کم از کم دن میں ایک مرتبہ اللہ کا شکر بجا لائیے اور اس کے ساتھ اللہ سے یہ بھی دعا کیجیے کہ اے اللہ! ہمیں اس مقام کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرما، پھر آپ زندگی میں اس کے انوار و برکات نازل ہوتے دیکھیں گے۔

اور مولانا نے فرمایا کہ ندوے سے فراغت کے وقت حضرت مولانا علی میاںؒ نے ہمیں اس کی وصیت کی تھی اور ایک مثال بھی دی تھی کہ جب ہم ترکی گئے تھے تو دیکھا کہ ترکی کی ہر مسجد میں نماز کے بعد سب لوگ بیک وقت بلند آواز سے یہ جملہ ادا کرتے ہیں "الحمد للہ علی نعمۃ الاسلام" اس کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا گیا کہ ترک قوم من حیث القوم پوری کی پوری ایک ہی وقت میں اسلام میں داخل ہوئی لہٰذا ہم اس پر ہر نماز کے بعد اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں۔

پانچویں بات مولانا نے یہ فرمائی:۔ حضرت مولانا علی میاںؒ کی زبانی "جذبۂ اندرون پیدا کیجئے اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کے طریقے پر مر مٹنے کا موت تک یہ جذبہ اور ولولہ آپ کے اندر جوش مارتا ہو"، پھر مولانا نے فرمایا کہ اس کیفیت کے حصول کے لیے اللہ کے نیک بندوں سے تعلق رکھنا ہوگا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿یا أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو، اور خود اللہ نے آگے اس کا راستہ بتا دیا ﴿وکونوا مع الصادقین﴾ کہ تقوی پیدا ہونے کی جگہ صالحین اور صادقین اور نیک لوگوں کی مجلسیں اور ان کی صحبت ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند　　　　صحبت طالح ترا طالح کند

پھر مولانا نے طلباء سے عرض کیا کہ اب سے شیطان کی محنت تمہارے پیچھے اور بڑھ جائے گی، اور ہر طرح سے وہ آپ پر حملہ کرے گا، اور آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا، اور تم کو غلط دیکھنے، غلط سننے، غلط چیزوں سے پیٹ بھرنے اور غلط جگہوں پر لے جانے کی کوشش کرے گا، ایسے موقعوں پر آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے پیچھے شیطانی طاقت کام کر رہی ہے، لہٰذا میں غلط نہیں دیکھوں گا، غلط نہیں سنوں گا، حرام مال سے اپنا پیٹ نہیں بھروں گا، ابتدا میں تھوڑی بہت تکلیف ہوگی، پھر عادت بن جائے گی، پھر اللہ آپ کو ایسے نور سے نوازیں گے، جس سے آپ کو عبادت میں لذت وحلاوت محسوس ہوگی۔

پھر مولانا نے واقعہ سنایا کہ میں نے دیکھا اسی شہر بھٹکل کے کچھ ایسے نوجوانوں کو جنہوں نے سوائے کالج اور کانوینٹ کے کہیں اور تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن ذرا سی تربیت میں دل ودماغ متاثر ہوئے، پھر جب ان کے کسب معاش کا وقت آ گیا، تو ان کو بڑے بڑے آفرس آئے بینکوں میں، ہوائی جہاز پر، تنخواہ بھی ماہانہ تین لاکھ، لیکن انہوں نے اس کو محض اس وجہ سے ٹھکرا دیا کہ اس میں آنکھوں کی حفاظت نہیں ہو پائے گی، اور غلط چیزوں کو سپلائی کرنا پڑے گا، پیٹ کو حرام مال سے بھرنا پڑے گا، چنانچہ تین تین سال اسی حال میں رہے، پھر اللہ تعالی نے اس آزمائش سے نکال کر بہترین عہدوں پر فائز کیا، اور پہلے سے دوگنی تنخواہ عطا کی، اب وہ اس پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں، آپ کو بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا، اور زندگی میں آپ کے سامنے ایسے نقشیں آئیں گے کہ حرام مال سے بہت جلد مالدار ہو سکتے ہیں، اللہ نہ کرے اس وقت کسی بھی صورت میں شریعت کی مخالفت کی ہمت نہ کیجئے گا، اس کے لئے جان بھی چلی جائے تو گوارہ کر لیجئے گا، لیکن احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی ہمت نہ کرنا، اور ہمیشہ یاد رکھئے گا کہ اپنی آنکھ، کان، پیٹ خراب کر کے آخرت کی آگ کا اپنے کو مستحق نہ ہونے دیں۔

پانچویں بات مولانا نے یہ فرمائی کہ مروت کے خلاف کوئی کام نہ کیجئے گا، وہ کام جو آپ کے لائق شان نہیں، مثلاً: مثلاً بازاروں میں کھڑے رہنا، راستے میں کھلکھلا کر ہنسنا، شور مچانا، ایسے اڈوں پر جہاں کمینے لوگ جاتے ہیں، ان اڈوں پر جانا تو دور کی بات وہاں سے گزرنا بھی وفا شعار لوگوں کا کام نہیں، جب آپ اپنا وقار برقرار رکھیں گے، تو اللہ کی نگاہ میں بلند سے بلند تر ہو جائیں گے، پھر خود بخود مخلوقات کی نظر میں آپ کو بلند مقام حاصل ہوگا۔

چھٹی بات مولانا نے یہ فرمائی کہ ویسے تو ہم نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اللہ کا حکم سمجھ کر، لیکن کچھ درود اس نیت سے پڑھیں کہ نبی کریم ﷺ محسن انسانیت ہیں، پوری انسانیت پر آپ کا احسان ہے، جو شخص اپنے محسن کا احسان یاد کرتا ہے تو اس پر برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

پھر صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ کرام، مفسرین، محدثین، فقہاء کرام اور اولیاء کرام اور ایسے مجتہدین عظام، داعیان اسلام، خدمت گذاران دین ان سب کے حق میں روزانہ دعا کا معمول بنائیے گا، کہ اے اللہ! ان کو ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرما، اور پوری امت کی طرف سے اجر عظیم عطا فرما۔ پھر مولانا نے بتایا کہ ہم نے بعض مرتبہ حضرت مولانا علی میاںؒ کو دیکھا کہ ایک دن میں کئی کئی مرتبہ سورۂ یاسین کی تلاوت فرماتے، پھر اپنے اسلاف کے نام ایصال ثواب کرتے، پھر ایک ایک کا نام لے کر دعائیں کرتے، پھر اس کے بعد مولانا نے فرمایا: یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے، کہ موقع ملے تو آپ بھی اپنے اسلاف کے نام ایصال ثواب کریں، اور ان کے حق میں دعائیں کریں، اس میں خیر ہی خیر ہے، برکتیں ہی برکتیں ہیں۔

پھر فرمایا: دو چیزوں سے اللہ کا تعلق مضبوط ہوتا ہے ۱- دعا ۲- کثرت تلاوت۔

ساتویں بات مولانا نے یہ فرمائی کہ آپ دنیا کے جس کونے میں بھی رہیں آپ کا وطیرہ یہ ہونا چاہئے کہ کسی دن بھی سورۂ یاسین کی تلاوت چھوٹنے نہ پائے، خود حدیث پاک میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، جو آدمی سورۂ یاسین کی تلاوت کرتا ہے، اس دن اس کے سارے کام اللہ تعالی آسان فرماتے ہیں، پھر مولانا نے فرمایا کہ موقع ملے تو دو تین مرتبہ تلاوت کرے، پھر اپنا معمول بتایا کہ جب بھی کوئی کام آتا ہے، تو پہلے سورۂ یاسین کی تلاوت کر کے اللہ سے آسانی کی دعا کرتے ہیں، ہم کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالی تمام کام بآسانی پورا فرماتے ہیں، پھر اپنا واقعہ بتایا کہ

جب خلیجی ممالک کے سفر پر جانا ہوا تو چالیس دن میں تقریباً ڈیڑھ سو تقریریں کی، ایک ایک دن میں تین تین چار چار تقریریں کی، وہ بھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ، یہ محض اللہ کی مدد ہے، اور وہی کہلواتا ہے، اور اسی کے دین کی برکت ہے، آٹھویں بات مولانا نے یہ فرمائی کہ جب بھی کوئی دینی یا علمی میدان میں خدمت کا موقع ملے، تو اللہ پر اعتماد کر کے خوب جم کر کام کرو، اور اپنے اوپر تکلیف کا اندازہ مت کرو، مجنون بن کر کام کرنے سے کام ہوتا ہے، کسی بھی کام کرنے میں جنون کی حد تک محنت کرنی چاہیئے، ورنہ پھر کام نہ ہوگا، پھر مولانا نے مثال بھی بیان فرمائی، اور کہا: ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ بانیان جامعہ جناب الحاج محی الدین منیری صاحب مرحوم اور حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب مدظلہ اور دیگر حضرات پاگل بن کر کام کرتے تھے، صبح آرہے ہیں، شام آرہے ہیں، یہاں جارہے ہیں، وہاں جارہے ہیں۔

ایسے ہی مولانا الیاس صاحب ندوی اور مولانا غزالی صاحب ندوی کو دیکھئے جو اپنے کام میں مرمٹے ہوئے ہیں، کسی چیز کی ان کو فکر نہیں، صرف اللہ ہی اللہ، اور دین کے فروغ میں لگے ہیں، جب انسان اس طرح سے وقف ہو جاتا ہے، تو پھر اللہ ایسے اشخاص سے کام لیتا ہے، لہٰذا آپ بھی اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

نویں بات مولانا نے یہ فرمائی کہ دنیا کے جس کونے میں بھی جایئے گا کچھ نہ کچھ اللہ کے لیے دین کی خدمت کو لازم پکڑ یئے گا، اس سے آپ کا وقار باقی رہے گا، اور آپ کا ایمان بھی باقی رہے گا، ورنہ پھر آپ کا کوئی محافظ نہیں ہوگا، اگر آپ صرف کسب معاش میں لگے رہے اور دین کی کوئی فکر نہیں کی، اور قرآن سے وابستہ نہ رہے، اپنے علوم کا سبق نہیں دیا، تو یہ آپ کی تاریک ترین زندگی ہوگی، اپنی پوری زندگی اس میں لگادی اور اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

دسویں بات اور آخری بات یہ فرمائی کہ جب بھی آپ پر کوئی ذمہ داری آئے تو بے سوچے سمجھے کوئی فیصلہ مت کیجئے گا بلکہ سارے بیک گراؤنڈ سے واقف ہو کر فیصلہ کیجئے گا، زبان کو پیچھے رکھئے اور دماغ کو آگے رکھئے، اور جہاں کہیں بھی جایئے تو آگے پیچھے دیکھ لیا کیجئے، اور فرمایا یہ ایک حکمت کا جملہ ہے۔ (مرسلہ نبیل احمد صدیقی بھٹکلی، فضیلت دوم دار العلوم ندوۃ العلماء)

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کا آخری پیغام فارغین جامعہ کے نام

جنوبی ہند کی مشہور شخصیت مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کی زندگی کا یہ آخری ایمان افروز، اور دل آویز خطاب فارغین جامعہ کے نام جس کو حضرت مولاناؒ نے اپنے معمول کے مطابق فارغین جامعہ سے تعلیمی سال شعبان ۱۴۳۶ھ مطابق مئی ۲۰۱۵ء کے اختتام پر جامعہ اسلامیہ کے مہمان خانے میں فرمایا تھا جس میں طالبان علوم نبوت کا منصب اور مقام اور ملت کی ان سے توقعات اور عصر حاضر میں ان کی ذمہ داریوں پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ (ہشام بن عبدالحکیم رکن الدین بھٹکلی، متعلم فضیلت اول دارالعلوم ندوۃ العلماء)

الحمدلله رب العالمين وصلى الله على سيد نا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

عزیزو! اپنے وقار کو مجروح ہونے نہ دیجئے، بہت بڑی بات ہے، وقار بننے کے لئے دن لگتے ہیں، آسانی سے وقار میسر نہیں آتا، عزت بننے کے لئے دن چاہیئے، اور وقار کو مجروح کرنے کے لئے اور عزت گھٹانے کے لئے دن نہیں، منٹوں میں ختم ہوجاتی ہے، وقار مجروح ہوجاتا ہے، یہ سب اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے، کبھی کبھی اللہ تعالی گھر بیٹھے انسان کو ذلیل کردیتا ہے جو باہر بھی نہیں آتا، ہم خود اپنی قدر کریں گے تو اللہ تعالی کی طرف سے انشاء اللہ راستے نکلیں گے اور ہم ہی لوگ اس کی ناقدری کریں گے تو گھر بیٹھے بھی اللہ تعالی ذلیل کرسکتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ زمانہ آپ کا اس وقت استقبال کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے، آپ خود تیار ہوجائے، اور آپ نے تعلیم حاصل کی (آگے بڑھ کر اللہ آپ کو اور ترقی عطا فرمائے) بیٹھ گئے، ایک عام انسان کی طرح سے اور کمائی دھمائی اور پیسہ بٹورنے کے چکر میں رہ گئے تو سب سے بڑے مجرم آپ ہوں گے، اور اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اور یاد رکھئے! نبوت کی ذمہ داری اور نیابت آپ کے ذمہ کی جارہی ہے، اور باطل سر اٹھا رہا ہے، نہیں! بلکہ مغرور

ہو کر پیچ میں آچکا ہے، اور باطل ہمارے ساتھ برسر پیکار ہے اور زبردست تباہی مچا رہا ہے، اسلام کے خلاف، دین کے خلاف کھل کر سامنے آچکا ہے، اگر ہلکی سی کوشش کرنے والے ہم جیسے لوگوں کی کوشش نہیں ہوگی، تو پھر اس دین کا محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے، لیکن کم از کم مجرمانہ صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کی ضرورت نہ پڑے، دیکھئے، کتابیں اٹھا کر دیکھئے، کیا کیا خرافات پھیلائی جارہی ہے، اسکولوں میں جو چیز دی جارہی ہے، دعا کے نام سے، اور ان کے کھانے کے نام پر یا ان کی جو نشستیں ہوتی ہیں، جہاں تعلیم کے نصاب تیار کیے جاتے ہیں، اس میں خدا کی پناہ وہ خرافات، وہ اسلام کے خلاف پروپگنڈے اور اسلام کو باطل ثابت کرنے اور مٹانے کی آخری درجے کی کوششیں ہورہی ہیں، جس کا جواب ہماری طرف سے کوئی نہیں ہو پا رہا ہے۔

چند کتابوں کو پڑھ کر ہم نے یہ سمجھا کہ ہم نے بھی بہت محنت کی ہے، یہ محنت نہیں ہے، آپ کو کتابیں پڑھوا کر امت کا درد، امت کا غم اور رسول ﷺ کی فکر کا حامل بنا کر بھیجا جارہا ہے، اس فکر کو آپ لے کر اٹھیں گے تو کامیاب، اور اس فکر کو اپنے ساتھ نہیں رکھیں گے، تو پھر اس کی ضمانت نہیں ہے کہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

زمانہ منتظر ہے آپ کا، آپ اٹھیں گے، چلیں گے، پھریں گے، محنت کریں گے، اور نبی کا نائب بن کر، اس احساس ذمہ داری کے ساتھ خدمت کرنے کا جذبہ پیدا کریں گے تو دنیا آپ کے قدموں پر آکر گرے گی، اگر دنیا کے پیچھے بھاگیں گے تو قسم اللہ کی دنیا تو ایسے لوگوں سے بھاگتی ہے۔

بس ہم یہی ایک بات آپ سے عرض کرتے ہیں کہ اپنے وقار کو مجروح ہونے نہ دیجئے، اس وقار کو خوب سے خوب تر بنائیے، اندر میں جذبہ پیدا کیجئے کہ ہمیں کچھ بننا ہے، اور اس کے لئے آپ کو دو کام کرنے ہیں:

(۱) کسی اہل اللہ سے اپنا تعلق قائم کیجئے، بغیر اس کے کچھ ہوتا نہیں، خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، اچھوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اچھائی حاصل ہوتی ہے۔

﴿یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین﴾ اچھوں کے ساتھ رہو، ڈرو اللہ سے، اور ڈرنے کا موقع کہاں ملے گا؟، یا اس کے تقوی کی کیفیت کہاں ملے گی؟ متقین کے ساتھ رہنے سے، اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ اپنا تعلق ضرور قائم کیجئے، اس میں انشاء اللہ کسی طرح سے حفاظت کی ضمانت ہے، اور اللہ تعالی محفوظ رکھیں گے دوسری ہوا کے لگنے سے یا دوسروں کے شکار ہونے سے۔

(۲) آپ اپنے مدرسے سے اپنا تعلق مضبوط اور مستحکم رکھئے، مدرسے سے آپ مستحکم رہیں گے، اس درخت سے آپ اپنا تعلق رکھیں گے، تو آپ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں گے اگر اس درخت سے جس درخت سے آپ نے پایا ہے، اور سب کچھ بنیں ہیں، اگر اس سے آپ نے اپنا تعلق منقطع کر لیا تو آپ کی یہ شاخ کبھی ہری بھری نہیں رہے گی، یاد رکھئے وہ سوکھ جائے گی اور اس کی دو کوڑی کی بھی قیمت نہیں رہے گی، جیسے درخت سے سرسبزہ دار شاخ کاٹ دی جاتی ہے، تو آپ دیکھتے ہیں، ایک ہفتہ نہیں گذرتا ہے کہ اس کی ساری سرسبزیت ختم ہو جاتی ہے سوکھ جاتی ہے، اس کے بعد جلادی جاتی ہے، اور اس کو بے عزت کر دیا جاتا ہے، ایسے ہی اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے وقار کو برقرار رکھیں اور آپ صحیح راستے پر قائم رہیں انحراف نہ ہونے پائیں، زندگی میں سوچ سمجھ کے اندر، فکروں کے اندر، طرز زندگی کے اندر انحراف نہ آنے پائے تو اس کے لئے یہی دو عمل آپ کے لیے لازمی ہیں ایک اہل اللہ سے تعلق دوسرے اپنے مدرسے سے تعلق، مدرسے سے تعلق کیا؟ اپنے اساتذہ سے تعلق، آتے جاتے رہیے یہاں کی فکروں کو اوڑھیے، آپ کو آگے چل کر یہ جامعہ چلانا ہے، یہ مت سمجھئے کہ یہاں پر آنے کے بعد ہم کو کوئی پوچھتا نہیں ہے، پوچھے نہ پوچھے! اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، آپ یہ سمجھئے کہ میں جامعہ کا ذمہ دار ہوں جامعہ آپ کا ہے، آپ کو آگے چل کر اس کی حفاظت کرنی ہے، اور آگے بڑھانا ہے۔ ہم لوگ کب تک رہیں گے؟ آج ہے کل کا مالک اللہ تعالی ہے، نہیں معلوم ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں، جو ہوا سو ہوا، اللہ تعالی کی مدد سے

ہوا ہے اور اسی کے فضل سے ہوا ہے، یہ جتنے اساتذہ بیٹھے ہوئے ہیں، یہ سب اپنی اپنی خدمت دے چکے اور دے رہے ہیں، الحمدللہ۔ لیکن کب تک یہ ٹمٹماتے چراغ باقی رہیں گے، معلوم نہیں، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس درخت کو جو ہمارے بزرگوں نے لگایا تھا، اور بڑی امیدوں سے لگایا تھا، انہیں کا اخلاص ہم آج پارہے ہیں، لوگوں کا کوئی کمال نہیں ہے، جن بزرگوں نے اس باغ کو لگایا تھا، ان لوگوں نے کتنی تکلیف اٹھائی ہے کچھ اندازہ نہیں اور آج ہم اس کا پھل کھارہے ہیں، اور اللہ کی طرف سے یہ پھل ہم کو ان کی برکت سے مل رہا ہے، ﴿وكان أبوهما صالحا﴾ (سورہ کہف:۸۲) بس یہی حقیقت ہے، ہم کچھ نہیں کررہے ہیں، یہ باپ کی محنت ہے، اور ان کا خلوص، آج اس کا ہم پھل پارہے ہیں، اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ صدا بہار رہیں تو آپ کو بھی اس طرح سے آگے بڑھنا پڑے گا۔ بس میں مبارکباد دیتا ہوں آپ علماء کی صف میں شامل ہونے جارہے ہیں، انشاء اللہ ہم سے زیادہ اللہ تعالیٰ آپ سے کام لے گا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت اونچا کرے گا، ہماری خواہش اور ہمارے دل کی تمنا ہے اور تمام اساتذہ کی کہ استاذ سے بڑھ کر آپ آگے بڑھتے جائیں، لیکن اسی فکر کے ساتھ رہیں، آپ کا درد رسول ﷺ کا درد ہو، آپ کی فکر رسول ﷺ کی فکر ہو، آپ کا غم رسول ﷺ کا غم ہو، اگر یہ چیز سلامت تو آپ سلامت اگر یہ چیز نہیں ہے، تو پھر کوئی واسطہ نہیں ہے ہم میں اور آپ میں، پھر تو بدنامی ہوگی۔

آپ کی ایک ایک طرز زندگی دیکھ کر لوگ ہم کو طعنہ دیں گے، آپ کے جامعہ کا بچہ دیکھئے داڑھی کٹوا رہا ہے خدانخواستہ، شرم آنی چاہئے، جامعہ پڑھ کر پینٹ پہنتے ہیں، داڑھی کٹواتے ہیں، اور وہ بھی پاجامہ اس کا ٹخنے کے نیچے ہوتا ہے، ارے بھائی! ہم لوگوں کی عزت ختم ہوجاتی ہے، بعض وقت بھری محفلوں میں ہم کو لوگ کہتے ہیں، اب ہم لوگ کیا کریں اس وقت؟ کس سے جاکر سنائیں، آپ کو ہم صفائی کے ساتھ اسی لیے کہہ رہے ہیں، آپ کو احساس نہیں ہوگا، آپ بڑے ہونے کے بعد آپ کو یہ احساس ہوگا، جن کلیوں کے پیچھے محنت

کی جاتی ہے وہ کلیاں اگر ساتھ نہ دیں اور وہ کلی باغ بہار بن کر چمکے نہیں، اور وہ مسل دی جائے تو باغباں کی اور مالی کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ وہ آپ بعد میں جانیں گے، یہاں بیٹھے ہوئے اساتذہ سب مالی ہیں، اگر اس کو کچل دیا گیا اور اس کو اٹھنے نہ دیا گیا، اور اس کو پلنے اور سنورنے نہیں دیا گیا، تو گئی کام سے چیز، اس لیے اللہ کے لیے آپ لوگ ان باتوں پر عمل کر کے جائیں، اللہ تعالی آپ کا محافظ معین ومددگار ہو، انہیں کلمات پر پھر ایک مرتبہ مبارکباد دیتے ہیں، علماء کی صف میں شامل ہو گئے، اس کا خیال رکھنا چاہیئے، اللہ تعالی ہم سب کو قبول فرمائے اپنی بارگاہ، سلامت رکھے ایمان پر، سلامت رکھے آخرت میں ایمان کے ساتھ، رسول ﷺ کے ساتھ جنت الفردوس میں ہم سب کو جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

ان الفاظ کے ساتھ مختصر لیکن بیش قیمت اور پر اثر تقریر کو نہ صرف تمام فارغین جامعہ اسلامیہ بلکہ تمام طالبان علوم نبوت کے لیے پیش کیا جارہا ہے، کاش یہ پیغام ان کے حق میں عزم وہمت بن جائے، اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر اس کو پوری طرح انجام دے سکیں، اور اللہ سے دعا ہے کہ تمام طالبان علوم نبوت کو خاص کر جامعہ اسلامیہ کے تمام فارغین کو اور انشاء اللہ جو مستقبل میں فارغین کی فہرست میں شامل ہونے والے ہیں، حضرت مولاناؒ کے دل کا درد وسوز نہ صرف محسوس کرنے کی بلکہ ان کی تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔